جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

القرآن الحکیم ۶۵:۱۲

النور

تبلیغ ۱۳۸۸ ہش
فروری ۲۰۰۹ء

Imam Inam-ul-Haq Kauser leading Invocation Prayer at the start of Pennsylvania State Assembly
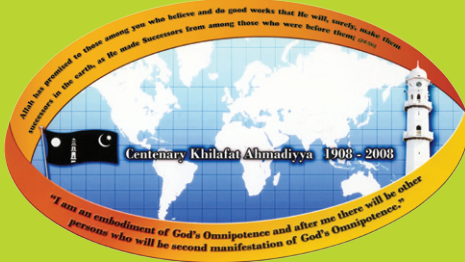
WAQFE NAU BOYS' ANNUAL TRIP TO JAMIA AHMADIYYA, CANADA
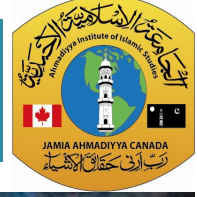
- Experience a full day at the Jamia.
- Meet Jamia faculty, staff & students.
- Unique opportunity to enjoy Jamia hospitality.
- Sightseeing visits to other locations.

Don't miss this golden opportunity to experience life at Jamia Ahmadiyya, Canada!

Contact your Local or Regional Waqfe Nau Secretary to sign up for the trip.

APRIL 10 — 12, 2009 (FRI — SUN)

APPLY FOR ADMISSION TO JAMIA AHMADIYYA, CANADA

Jamia Ahmadiyya Canada is seeking US applicants for admission into the 7-year Shahid degree program beginning in fall, 2009. The applicants for admission must fulfill the following prerequisites:

- The applicant must be between 17 and 20 years of age.
- The applicant must have finished high school.
- The applicant must apply for Waqfe Zindagi (life dedication) also.
- The applicant must be able to recite the Holy Quran correctly.

For detailed information, please contact info@jamiaahmadiyya.ca.

The deadline for submitting complete admission forms is March 15, 2009.

Please note that admission interviews for the US applicants will be conducted during the Jamia Ahmadiyya Canada trip.

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (2:258)

النــور

فروری **2009**

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّہ

فہرس

نگران: ڈاکٹر احسان اللہ ظفر

امیر جماعت احمدیہ، یو۔ایس۔اے

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر نصیر احمد

مدیر: ڈاکٹر کریم اللہ زیروی

ادارتی مشیر: محمد ظفر اللہ ہنجرا

معاون: حسنیٰ مقبول احمد

لکھنے کا پتہ:
Editors Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905
karimzirvi@yahoo.com

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ

(الحج :31)

پس بتوں کی پلیدی سے احتراز کرو۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ج

(الانبیاء:25)

کیا انہوں نے اس کے سوا معبود بنا رکھے ہیں؟ تُو کہہ دے کہ اپنی قطعی دلیل لاؤ۔

{700 احکامِ خُداوندی صفحہ 52}

قرآن کریم

قُلْ یٰۤاَیُّهَاالنَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ﹰ لَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج لَاۤاِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ

وَیُمِیْتُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ O

(الاعراف: 159)

تُو کہہ دے کہ اے انسانو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کے قبضے میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ پس ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی اُمّی پر جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اسی کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

تفسیر بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ:

وَكَلِمٰتِهٖ: اب تو قرآن گویا قسم کھانے کیلئے رکھا ہے یا عملِ حُب وبغض وحصولِ رزق کیلئے افسوس جو قرآن حبّ لغیر اللہ کو چھوڑوا کر الحُبُّ لِلّٰہ کیلئے آیا اس سے یہ امید رکھی جاوے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے جو میرا پیر بھائی تھا۔ مجھے ایک عمل لکھ بھیجا کہ اسے پڑھنے سے ڈیڑھ سو روپیہ آمدنی ہو جائیگی، جو مَیں نے کیا۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ عرضِ حال پر اس نے مجھے لکھا ؎

بمطلب مے رسد جویائے کام آہستہ آہستہ --- زدریا مے کشد صیاد دام آہستہ آہستہ

اس کے بعد جب میں نے وہ عمل کیا اور اپنی اوسط آمدنی نکالی تو سچ مچ ڈیڑھ سو نکلی۔ مگر معاً میرے دل میں یہ آیا یہ اس عمل کا نتیجہ ہے یا طبابت کا۔ اس بات کو صاف کرنے کیلئے میں نے ارادہ کیا کہ پہلے صرف طبابت کرتا ہوں پھر دوسرے مہینے طبابت چھوڑ کر صرف یہ عمل کروں گا۔ پھر دیکھوں گا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے میری ہدایت کا سامان بہم پہنچایا۔ اس مہینے مجھے طبابت سے 1200 روپے آمدنی ہوئی۔ اس عمل کو میں نے اپنے خسارے کا موجب جانا۔ اس لئے چھوڑ دیا۔ کچھ مدت بعد وہی عمل بتانے والا آیا جس نے آخر مجھ سے استدعا کی کہ مہاراج کے پاس مجھے ساٹھ روپے کا دعا گو ہی بنوا دو۔ حتّٰی کہ پندرہ روپے پر راضی ہو گیا۔ جس سے صاف کھل گیا کہ یہ فرقہ کیسا ذلیل ہے اور یہ راہ **منعم علیھم** کی نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان 30 ستمبر 1909، حقائق الفرقان جلد دوم صفحات 235-236)

احادیث مبارکہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفَقَۃِ نِصْفُ الْمَعِیْشَۃِ وَالتَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ وَحُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ۔

(بیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ باب الحذر والتانی فی الامور صفحہ 430)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اخراجات میں میانہ روی اور اعتدال نصف معیشت ہے اور لوگوں سے محبت سے پیش آنا نصف عقل ہے اور سوال کو بہتر رنگ میں پیش کرنا نصف علم ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثٌ مِنْ اَخْلَاقِ الْاِیْمَانِ، مَنْ اِذَا غَضِبَ لَمْ یُدْخِلْہُ غَضَبُہٗ فِیْ بَاطِلٍ، وَمَنْ اِذَا رَضِیَ لَمْ یُخْرِجْہُ رَضَاہُ مِنْ حَقٍّ وَمَنْ اِذَا قَدِرَ لَمْ یَتَحَاطَ مَالَیْسَ لَہٗ۔

(المعجم الصغیر للطبرانی باب من اسمہ احمد صفحہ 61/1)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تین اخلاق ایمان کا تقاضا ہیں۔ اول یہ کہ جب کسی مومن کو غصہ آئے تو غصہ اسے باطل اور گناہ میں مبتلا نہیں کر سکتا (وہ حد کے اندر رہتا ہے) اور جب وہ خوش ہو تو اس کی خوشی اسے حق سے باہر نکلنے نہیں دیتی (وہ خوشی میں بھی اعتدال کو نہیں چھوڑتا) اور جب اسے قدرت اور اقتدار ملتا ہے (اس وقت بھی) وہ اپنے حق سے زیادہ نہیں لیتا یعنی جو اس کا نہیں اس کو لینے کی کوشش نہیں کرتا۔

الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

پیشگوئی مصلح موعود

’’مَیں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا۔ سومَیں نے تیری تضرّعات کو سُنا۔ اور تیری دُعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی۔ اور تیرے سفر کو (جو ہوشیارپور اور لودھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔ اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر! تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں۔ موت کے پنجہ سے نجات پاویں۔ اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں۔ اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے۔ اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔ اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے۔ اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفٰے ﷺ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی نشانی ملے۔ اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذرّیت و نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اُس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس رُوح دی گئی ہے۔ اور وہ رجس سے پاک ہے وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے جو اُسکے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دَولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیّوری نے اُسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم ہوگا۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزندِ دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَآءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسُوح کیا۔ ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے۔ اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔‘‘

(اشتہار 20 فروری 1886 مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اوّل)

۔۔۔کلام امام الزمان۔۔۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

تیری نصرت سے اب دشمن تبہ ہے ہر اک جا میں ہماری تُو پَنہ ہے
ہر اِک بدخواہ اب کیوں رُو سیہ ہے کہ وہ مثلِ خسوفِ مہر و مہ ہے

سیاہی چاند کی مُنہ نے دکھا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

ترے فضلوں سے جاں بُستاں‌سرا ہے ترے نُوروں سے دل شمس‌الضّحٰی ہے
اگر اندھوں کو انکار و اِباء ہے وہ کیا جانیں کہ اس سینہ میں کیا ہے
کہیں جو کچھ کہیں سر پر خُدا ہے پھر آخر ایک دن روزِجزا ہے

بدی کا پھل بدی اور نامرادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

تجھے سب زوروقدرت ہے خُدایا تجھے پایا ہر اِک مطلب کو پایا
ہر اک عاشق نے ہے اِک بُت بنایا ہمارے دل میں یہ دلبر سمایا
وہی آرامِ جاں اور دل کو بھایا وُہی جس کو کہیں رَبّ البرایا

ہوا ظاہر وہ مجھ پر بِالْاَیَادِیْ
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

خطبہ جمعہ

مصلح موعود کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیاں

خواب کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانی مستقبل کو ہزاروں احتمالات کے دائرہ سے نکال کر چند احتمالات کے اندر محدود کر دیتی ہے پھر کبھی وہ تقدیر مبرم ہوتی ہے اور کبھی اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان ہوشیار ہو جائے اور بچاؤ کی تدابیر کرے

اللہ تعالیٰ نے پیشگوئیوں میں میرے جو کام بتائے ہیں وہ ممکن ہے میرے ہاتھ سے ہی ہوں یا ممکن ہے میرے شاگردوں کے ہاتھوں سے ہوں اور اگر ایسا ہو تو بھی پیشگوئیوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا

(خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمودہ مورخہ یکم فروری 1935

چونکہ پچھلے خطبہ میں دیر ہو جانے کی وجہ سے مجھے اختصار کرنا پڑا تھا اس لئے بعض حصے چھوڑنے پڑے تھے جن حصوں کے ٹکڑے میں نے بیان کر دیئے تھے ان کے بقیہ حصوں کے بیان کی تو ضرورت نہیں لیکن ایک حصہ بالکل چھوٹ گیا تھا اور میں سمجھتا ہوں باہر سے خطوط جو آئے ہیں ان کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اس کے متعلق کچھ بیان کرنا ضروری ہے اور میں آج اس حصہ کے متعلق بعض باتیں کہنی چاہتا ہوں۔

میں نے ایک گزشتہ خطبہ میں جو شاید 4 جنوری کو پڑھا تھا ذکر کیا تھا کہ بعض دوستوں کو ایسے رؤیا ہوئے ہیں جن کی بناء پر وہ شبہ کرتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے کام کا وقت پورا ہو چکا ہے اور وہ رؤیا میری وفات پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں مَیں نے بعض اپنے رؤیا بھی بیان کئے تھے اور گو ان میں وضاحت ایسی باتوں کی نہ تھی لیکن ان میں اشتباہ کا رنگ تھا اور خیال کیا جا سکتا ہے کہ گویا ان ایام میں جن میں لوگوں کو شبہ تھا یہ بات نہ ہو مگر ان کے بعد کے قریب کے ایام میں کوئی بات ایسی ہونے والی ہو کیونکہ فرشتہ کا چھپانا ایسا شبہ پیدا کر سکتا ہے اس پر باہر سے بعض دوستوں کے خطوط آئے ہیں جو میرے ساتھ اس قسم کے اخلاص کے اظہار پر مشتمل ہیں اور ان میں ایسا رنگ محبت کا پایا جاتا ہے جو مجھے مجبور کرتا ہے کہ ان کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کروں۔ ان میں جو خالی محبت اور اخلاص ہے اس کے متعلق میں کیا اظہارِ خیالات کر سکتا ہوں۔ ہر شخص اپنے اخلاص کے مطابق اللہ تعالیٰ سے جزاء پاتا ہے۔ جسے لِلّٰہِ فِی اللہِ میرے ساتھ محبت کا تعلق ہوگا یقیناً وہ اپنے اخلاص کے مطابق اس کی جزاء پائے گا اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں لیکن بعض دوستوں نے ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے کہ یہ امر مذہبی مسئلہ بن جاتا ہے اور اسلئے میں اس کے متعلق کچھ کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔

وہ خیال یہ ہے کہ بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض پیشگوئیاں آپ کے متعلق ہیں اور جب ہم ان پیشگوئیوں کو درست مانتے ہیں تو یہ کس طرح سمجھ لیں کہ آپ کی وفات اسی زمانہ میں ہونے والی ہے اور گو ان خوابوں کی بناء پر کوئی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کی وفات کب ہوگی لیکن اس زمانہ میں اس کا امکان بھی ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اور میں آج اس امر کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں کہ خوابوں کا کیا مقصد ہوتا

ہے اور پیشگوئیاں کس طرح مشروط ہوتی ہیں۔ پہلی بات اس کے متعلق یہ یاد رکھنی چاہئے کہ کسی کی موت کے متعلق خواب کی یقینی تعبیر یہی نہیں ہوتی کہ وہ فوت ہو جائے گا کیونکہ رؤیا میں موت دیکھنے کے کئی معنی ہوتے ہیں موت کے معنی زندگی کی طوالت بھی ہوتی ہے جب کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ کوئی شخص فوت ہو گیا ہے تو کبھی اس کے معنی یہ بھی ہوتے ہیں کہ اس کی عمر دراز ہوگی اگر کوئی دیکھے کہ کوئی قتل ہو گیا ہے تو اس کے معنے بسا اوقات یہ ہوتے ہیں کہ اس شخص کو یقین اور وثوق کا درجہ حاصل ہوگا۔ بعض دفعہ یقینِ کامل اور ایمانِ کامل پر دلالت کرتا ہے اور کبھی موت کے معنی تعلق باللہ کے ہوتے ہیں۔ صوفیاء کا مشہور قول ہے کہ

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا

(موضوعات کبیر۔مُلا علی قاری صفحہ 75 مطبوعہ دہلی 1346)

یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤ جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفسوں کو کچل دو، نیکی تقویٰ پیدا کرلو، تو موت سے پہلے انسان پر جو موت آتی ہے یعنی جذبات کا مارنا وہ بھی موت ہی کہلاتی ہے۔ اس لحاظ سے موت کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے نفس کی ایسی اصلاح کا موقع دے جو مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے مطابق کہلا سکے۔ پھر قتل کے معنی قطع تعلق کے بھی ہوتے ہیں رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب صحابہ میں خلافت کے متعلق اختلاف پیدا ہوا، انصار کا خیال تھا کہ خلافت ہمارا حق ہے ہم اہلِ بَلد ہیں کم سے کم اگر ایک مہاجرین میں سے خلیفہ ہو تو ایک انصار میں سے ہو، بنو ہاشم نے خیال کیا کہ خلافت ہمارا حق ہے رسولِ کریم ﷺ ہمارے خاندان سے تھے اور مہاجرین کو یہ چاہتے تھے کہ خلیفہ قریش سے ہونا چاہیئے کیونکہ عرب لوگ سوائے قریش کے کسی کی بات ماننے والے نہ تھے مگر وہ کسی خاص شخص کو پیش نہ کرتے تھے بلکہ تعین کو انتخاب پر چھوڑنا چاہتے تھے مسلمان جسے منتخب کرلیں وہی خدا تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ سمجھا جائے گا۔ جب انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا تو انصار اور بنو ہاشم سب ان سے متفق ہو گئے مگر ایک صحابی کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ یہ وہ انصاری صحابی تھے جنہیں انصار اپنے میں سے خلیفہ بنانا چاہتے تھے اس لئے شاید انہوں نے اس بات کو اپنی ہتک سمجھا یا یہ بات ہی ان کی سمجھ میں نہ آئی اور انہوں نے کہہ دیا کہ میں ابوبکر کی بیعت کیلئے تیار نہیں ہوں۔ حضرت عمرؓ کا اس موقع کے متعلق ایک قول بعض تاریخوں میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا اُقْتُلُوْا سَعْدًا یعنی سعد کو قتل کر دو۔ لیکن نہ انہوں نے خود ان کو قتل کیا نہ کسی اور نے۔ بعض ماہرِ زبان لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی مراد صرف یہ تھی کہ سعد سے قطع تعلق کرلو۔ بعض تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سعد باقاعدہ مسجد میں آتے تھے اور الگ نماز پڑھ کر چلے جاتے تھے اور کوئی صحابی ان سے کلام نہ کرتا تھا پس قتل کی تعبیر قطع تعلق اور قوم سے جُدا ہونا بھی ہوتی ہے اور ان معنوں کے لحاظ سے میرے متعلق جو خواب دوستوں کو آئے وہ پورے بھی ہو چکے ہیں۔ آج مسلمانوں کے ایک طبقہ نے ہمارا بائیکاٹ کیا ہوا ہے اور وہ کہہ رہے ہیں کہ ان کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور اس کی تعبیر کے لحاظ سے یہ خواب پورے ہو چکے اور ہمیں انتظار کی بھی ضرورت نہیں۔ پس قتل اور موت کی تعبیریں مختلف ہوتی ہیں اور صرف ایک ہی تعبیر ایسی رؤیا کی نہیں ہوتی اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا ضروری یہی مطلب ہے اور یہ نہیں ہے۔ کبھی موت کے معنی موت کے بھی ہوتے ہیں اَور کبھی اَور۔ میں نے اپنی زندگی میں بیسیوں دفعہ رؤیا میں دیکھا ہے کہ بعض دانت گر گئے ہیں اور عام طور پر اگر دیکھا جائے کہ دانت گر کر مٹی میں مل گئے ہیں تو اس کی تعبیر موت ہی ہوتی ہے لیکن اگر دیکھا جائے کہ مٹی میں نہیں ملے اور ہاتھ میں یا کسی اور محفوظ جگہ میں ہیں اور صاف ہیں تو اس کی تعبیر لمبی عمر ہوتی ہے کیونکہ دانت عام طور پر لمبی عمر میں ہی گرتے ہیں۔ خدا کی قدرت ہے کہ ادھر تو ایسے رؤیا ہوئے اور ادھر گزشتہ چند دنوں کی بات ہے میرے دانتوں میں ایسا شدید درد ہوا کہ جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور اس سے دانت ہلنے لگ گئے اور میں نے سمجھا کہ شاید اسی طرح بیماری سے دانت گر کر وہ خواب پوری ہو جائے گی اور اس کے معنی لمبی عمر کے نہیں ہوں گے مگر دوسرے تیسرے دن وہ پھر اپنی جگہ قائم ہو گئے۔ تو تعبیریں ایسے رنگ میں ہوتی ہیں کہ کوئی شخص قبل از وقت نہیں کہہ سکتا کہ خواب کس رنگ میں پورا ہوا۔ پھر میں نے اس کا اظہار کیوں کیا یہ میں آگے چل کر بیان کروں گا لیکن یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ خواب کے ساتھ جب تک علامتیں ایسی نہ ہوں یا واضح طور پر بتا نہ دیا جائے کسی ایک معنی پر حصر نہ کرنا چاہیئے مثلاً اگر ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ اس کے

دانت گر گئے ہیں اور اس کے ساتھ ایسی علامتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں یا الہاماً اسے بتا دیا جاتا ہے کہ عمر اب ختم ہے تو بے شک اس خواب کی تعبیر یہی سمجھی جائے گی لیکن اگر یہ نہ ہو تو صرف دانت گرنے سے یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ موت واقع ہونے والی ہے۔ تو بعض جگہ کوئی ایسی بات آ جاتی ہے جو اسے قطعی بنا دیتی ہے یا کوئی ایسی علامتیں ظاہر ہو جاتی ہیں لیکن اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو رؤیا کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس نے انسان کو وسیع دائرہ سے نکال کر ایک چھوٹے دائرہ میں کھڑا کر دیا۔ مثلاً ایک انسان دیکھتا ہے کہ اس کے دانت گر گئے، اس کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کا کوئی رشتہ دار فوت ہوگا، یہ بھی کہ لمبی عمر پائے گا اور گو اب بھی یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اس کا کوئی رشتہ دار فوت ہوگا یا وہ خود فوت ہوگا اور شُبہ باقی رہتا تھا مگر احتمال محدود ہو گیا اور یہ پتہ لگ گیا کہ دو چار باتوں میں سے ایک ضرور ہے حالانکہ انسان کے ساتھ ہزاروں احتمالات لگے ہوئے ہیں اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ رؤیا کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ طاعون سے مرے گا اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قتل ہوگا۔ یہ بھی کہ اسے کھجلی کی بیماری ہوگی یہ بھی کہ اسے طاعون ہوگا اور یہ بھی کہ دشمن اس پر حملہ کرے گا اور سخت اعراض کرے گا مگر کیا سارے انسان ان چاروں باتوں میں سے ایک نہ ایک میں ضرور مبتلا ہوتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں لوگ ایسے ہوتے ہیں جن میں یہ چاروں باتیں نہیں ہوتیں بلکہ اور بھی سینکڑوں نہیں ہوتیں۔ پس خواب کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانی مستقبل کو ہزاروں احتمالات کے دائرہ سے نکال کر چند احتمالات کے اندر محدود کر دیتی ہے پھر کبھی وہ تقدیر مبرم ہوتی ہے اور کبھی اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان ہوشیار ہو جائے اور بچاؤ کی تدابیر کرے مثلاً ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ اسے بخار چڑھا ہے تو اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر وہ احتیاط نہ کرے گا تو حالت ایسی ہے کہ ضرور بخار چڑھ جائے گا لیکن اگر کونین کھا لے تو ہو سکتا ہے کہ نہ چڑھے۔ پس بسا اوقات انسان کو حزم اور احتیاط سکھانے کیلئے بھی خواب آتے ہیں۔ ایک شخص کو رؤیا ہوتا ہے کہ تم مر جاؤ گے گو اس کا مطلب یہی ہو کہ وہ مر جائے گا لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ موت اس کے موجودہ حالات کا نتیجہ ہو اور اس کے لئے ان حالات کو بدل کر موت سے بچ جانا ممکن ہو۔ مثلاً وہ بیمار ہے اور پرہیز کرے یا علاج کرائے تو بچ جائے یا اگر دشمن کے حملہ سے موت کی خبر ہے اور وہ اس سے ہوشیار ہو جائے تو رؤیا کی تعبیر بھی بدل جائے غرض ہر رؤیا تقدیر مبرم نہیں ہوتی بلکہ بعض دفعہ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ حالات ایسا چاہتے ہیں اور اگر حالات بدل جائیں گے تو تعبیر بھی بدل جائے گی۔ پس جن رؤیاؤں کا میں نے ذکر کیا ہے ان کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حالات کے نتیجہ میں ایسا ہو سکتا ہے لیکن اگر احتیاط کرو، دعائیں کرو اور صدقہ و خیرات کرو تو ممکن ہے خدا بدل دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان خوابوں کے وہ اچھے معنی ہوں جو میں نے پہلے بیان کئے ہیں۔

اب میں اس سوال کو لیتا ہوں جو بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض رؤیا اور پیشگوئیاں آپ سے منسوب ہیں۔ پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کی اتنی عمر ہی ہو اور چونکہ بعض دشمنوں کی طرف سے ابھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ سبز اشتہار والی پیشگوئی میرے متعلق نہیں اور کہ میں خود اس کے اپنے متعلق ہونے سے انکار کرتا ہوں اس لئے میں اس کے متعلق بھی کچھ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

یہ بات قطعاً غلط ہے کہ میں اس کے اپنے متعلق ہونے سے انکار کرتا ہوں میں جس بات کا انکار کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس پیشگوئی کو کسی مامور کے متعلق سمجھا جائے یا یہ سمجھا جائے کہ جس کے متعلق یہ ہے اس کیلئے الہاماً ایسا دعویٰ کرنا لازمی ہے بعض باتوں کا بے شک الہاماً دعویٰ سے تعلق ہوتا ہے لیکن بعض کا ظاہری مادی حالات سے پتہ چل جاتا ہے کہ بات یوں ہے۔ کوئی شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ اس کا کوئی عزیز فوت ہو گیا۔ اب کیا ضروری ہے کہ اس کی وفات کے بعد دوسرے رشتہ دار الہاماً دعویٰ کریں کہ خواب اسی کے متعلق تھا جو فوت ہو چکا۔ احادیث میں ریل گاڑی کے متعلق پیشگوئی ہے تو کیا اس کے یہ معنے ہوں گے کہ ریل الہاماً اس کا دعویٰ کرے تب اس پیشگوئی کے اس کے متعلق ہونے کا یقین کیا جائے پس دعویٰ اور وہ بھی الہاماً ضروری نہیں۔ اگر یہ ضروری ہو تو احادیث میں بے جان چیزوں کے متعلق پیشگوئیاں نہ ہوتیں۔ پس میں جو بات کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ضروری نہیں جس کے متعلق یہ پیشگوئی ہے اسے اس کے متعلق الہام بھی ہو اور پھر وہ دعویٰ کرے گو میں یہ بھی نہیں کہتا

کہ ضروری ہے کہ الہام نہ ہو ممکن ہے ہو جائے لیکن ضروری نہیں ۔ میں ابھی بچہ ہی تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کا خیال تھا کہ یہ پیشگوئی میرے متعلق ہے اور اس میں بہت سی باتیں ہیں جنہیں خدا نے میرے ذریعہ پورا کیا مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام کا اکنافِ عالم میں پھیلنا مختلف قوموں کا سلسلہ میں داخل ہونا۔ حضرت خلیفہء اوّل ؓ کے زمانہ میں گو انگلستان میں مشن قائم تھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام کو خواجہ صاحب زہرِ ہلاہل سے تعبیر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سَمِّ قاتل ہے اور للہ تعالیٰ نے یہ بات میرے ہی زمانہ میں پوری کی کہ آپ کا نام تمام دنیا میں پھیل گیا اور اب بیرونی ممالک میں ہزاروں کی جماعتیں ہیں اور مشن مختلف علاقوں میں پھیل گئے ہیں ۔ اس وقت ہندوستان سے باہر بیسیوں مقامات پر جماعتیں ہیں جو سب میرے زمانہ میں قائم ہوئیں ۔ ساٹرا، جاوا، سیلون، ماریشیئس، ٹرینیداد، امریکہ کی جنوبی ریاستیں، انگلستان، روس، شام، فلسطین، مصر، الجزائر، گولڈ کوسٹ، نائیجیریا، سیرالیون، ایران یہ سب نئی جماعتیں ہیں جو میرے زمانہ میں قائم ہوئیں ۔ ان کے علاوہ بھی کئی دوسرے ممالک میں اِکا دُکّا احمدی ہیں تو سوائے افغانستان کی جماعت کے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں قائم ہوئی اور خدا کے فضل سے میرے ہی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام چاروں طرف پھیلا۔ پھر کثرت جو اس زمانہ میں حاصل ہوئی اور جو نظام قائم ہوا وہ بھی غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے ۔ جتنے آدمی آج میرے جمعہ میں ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے آخری جلسہ میں اس سے چوتھا حصہ جلسہ سالانہ میں تھے ۔ قبر سے گز بھر ورے تک مسجد تھی اور جہاں میں کھڑا ہوں صرف یہاں سے وہاں تک آدمی تھے اور آپ بہت خوش تھے کہ ہماری جماعت پھیل گئی ہے مگر آج اس سے چار گنا جمعہ میں ہیں ۔ عورتیں اس کے سوا ہیں اگر انہیں بھی شامل کر لیا جائے تو چار گُنے سے بھی زیادہ آدمی آج جمعہ میں ہیں اور غور کرو یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل ہے پھر کوئی دن ایسا نہیں کہ جماعت میں اضافہ نہ ہوا اور یہ ایسی بات ہے کہ بعض انگریزوں سے میں نے دورانِ گفتگو میں اس کا ذکر کیا تو وہ حیران رہ گئے ۔ میری خلافت کے بیس سالہ عرصہ میں مجھے یاد نہیں کوئی دن بھی ایسا گزرا ہو جب کوئی شخص جماعت میں داخل نہ ہوا ہو ۔ بعض دنوں میں تو بیسیوں سینکڑوں تک داخل ہوتے ہیں مگر ایک دو سے خالی دن تو کبھی نہیں ہوا ۔ غور کرو کتنا لمبا عرصہ ہے، اکیسواں سال ختم ہونے والا ہے مگر ایک دن میری زندگی کا ایسا نہیں گزرا کہ کوئی احمدی نہ ہوا ہو ۔ اوّل تو ڈاک میں ہی درخواست بیعت میں کبھی ناغہ نہیں ہوا لیکن اگر ڈاک میں کوئی ایسا خط کبھی نہ آئے تو میں جب باہر نکلا تو مسجد میں ہی کسی نے بیعت کر لی ۔ پس اللہ تعالیٰ نے میرے زمانہ میں جماعت کو غیر معمولی ترقی دی ہے اور پھر منظّم ترقی ۔ جو لوگ آتے ہیں وہ ٹھہرتے ہیں استقلال دکھاتے ہیں اور ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں اور جماعت برابر بڑھتی جا رہی ہے ۔ پچھلی مردم شماری کے موقع پر مردم شماری کے افسر نے صوبہ سرحد کے متعلق سرکاری رپورٹ میں لکھا کہ جماعت احمدیہ چار گُنا بڑھ گئی ہے اور اہلحدیث فرقہ کم ہو گیا ہے پس جماعت احمدیہ کی ترقی ایسے رنگ میں چلتی ہے کہ دوست دشمن سب کو حیرت میں ڈالتی جا رہی ہے ۔

بیرونی ممالک میں بعض جگہ ہزاروں کی جماعتیں ہیں اور ان میں سے ایسے مخلص لوگ ہیں کہ حیرت ہوتی ہے گزشتہ ہفتہ ہی امریکہ سے مجھے ایک چٹّھی آئی ہے، یورپ اور امریکہ کے لوگوں کی زندگی ایسی نہیں ہوتی جیسی ہمارے ملک کے لوگوں کی ہے، کھانے پینے پہننے اور رہائش میں وہاں کے غریب ایسے پُرتکلف ہوتے ہیں جیسے ہمارے ہاں کے امیر امریکہ میں غریبوں کی آمدنی تین چار سو روپیہ ماہوار ہے لیکن یہاں اگر کسی کی اتنی آمد ہو تو وہ زمین پر قدم نہیں لگنے دیتا ۔ مگر وہاں کے غریب کا اتنا خرچ ہوتا ہے ۔ ایسے ملک میں سمجھ لو کس قسم کی زندگی کے وہ لوگ عادی ہوں گے پھر وہ مذہبی پابندیوں سے بالا ہیں اور ایسے لوگوں میں اخلاص کا پیدا ہونا کس قدر خوش کن ہے ۔ امریکہ کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ فلاں شخص نے ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے جو ٹھیک نہیں ۔ میں یہ تو نہیں جانتا کہ اس شخص نے ایسا کیا ہے یا نہیں، اس جماعت نے ایسا لکھا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ہمیں اس شخص کی بدسلوکی کی پرواہ نہیں ہم نے دین کو قبول کیا ہے اور اگر کوئی شخص ہم سے اچھا معاملہ نہیں کرتا تو اس سے احمدیت پر کیا اعتراض ہے ۔ آپ کو صرف اس لئے لکھا ہے کہ چونکہ آپ ہمارے امام ہیں اس لئے لکھیں کہ اب ہمیں کس کی

طرف رجوع کرنا چاہئے اور کس سے دین سیکھیں۔ امریکہ کے رہنے والوں میں ایسا اخلاص حیرت انگیز ہے پھر وہاں مسٹر بارکر ایک وکیل ہیں، امریکہ کی کسی فرم نے ایک تاریخی کتاب کا اشتہار دیا جو ان کے پاس بھی آیا اس کتاب کی قیمتِ بالاقساط ادا کرنی تھی، وہ کئی جلدوں کی کتاب تھی، مسٹر بارکر نے بھی کتاب کی خریداری منظور کر لی۔ جب کتاب ان کے پاس پہنچی تو اس میں بعض ایسی باتیں رسول کریم ﷺ کے متعلق درج تھیں جو پادری غلط طور پر یورپ میں شائع کرتے رہتے ہیں انہوں نے کتاب کا وہ حصہ دیکھا جو خلافِ واقعہ اور ہتک آمیز تھا تو فوراً اس فرم کو خط لکھا کہ میں اس کتاب کی قیمت نہیں دونگا کیونکہ یہ کوئی تاریخی کتاب نہیں بلکہ محض کہانیوں کا مجموعہ ہے اور ہمارے ہادی اور رہنما محمد ﷺ کے متعلق اس میں سراسر غلط اور خلافِ واقعہ باتیں درج ہیں اور میرا مقصد قیمت کی ادائیگی کے انکار سے یہ ہے کہ تم مجھ پر نالش کرو تا میں عدالت میں ثابت کرسکوں کہ واقعی محمد ﷺ کی ہتک کی گئی ہے۔ فرم والے بھی بھلا کب خاموش رہنے والے تھے انہوں نے نالش کر دی۔ شکاگو کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا، وہاں کی یونیورسٹی کے بعض پروفیسروں کی شہادت ہوئی، ہمارے مبلغ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی کی بھی شہادت ہوئی اور عدالت نے فیصلہ دیا کہ واقعی کتاب میں محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق غلط باتیں درج ہیں اور مسٹر بارکر کا حق ہے کہ اس کی قیمت ادا نہ کرے۔ یہ باتیں بتاتی ہیں کہ بیرونی ممالک میں جماعتیں عمدگی سے ترقی کر رہی ہیں اور یہ سب ترقی میرے ہی زمانہ میں ہوئی ہے اور جب کسی امر کے متعلق واقعات ظاہر ہو جائیں تو پھر اس میں شک کرنا تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کہتے ہیں کسی کو جنگ میں تیر لگ گیا وہ خون دیکھتا جائے اور کہتا جائے کہ خدایا! یہ خواب ہی ہو۔ پس جب سب باتیں میرے متعلق پوری ہو رہی ہیں تو میں مجبور ہوں کہ دعویٰ کروں کہ یہ پیشگوئیاں میرے متعلق ہیں مگر باوجود اس کے میں کہتا ہوں کہ پیشگوئیوں کا تعلق عمر سے نہیں ہوتا ممکن ہے میری عمر بہت لمبی ہو لیکن اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی پیشگوئیوں پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ بیس سال میں مجھ سے اتنا کام لے لے جو دوسرے سو سال میں کرتے ہیں تو پیشگوئی پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ پیشگوئیوں کی ساری کیفیت اسی کی زندگی میں پوری ہونی ضروری نہیں جس کے متعلق کوئی پیشگوئی ہو۔ رسول کریم ﷺ کے متعلق قرآن کریم میں پیشگوئی ہے کہ ہم نے رسول کو بھیجا ہے تا اسلام کو کُل ادیان پر غالب کر دیں:

هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

(الصّف: 10)

مگر اس کا اظہار آپ کے زمانہ میں نہیں ہوا بلکہ آپ کے بروز مسیح موعودؑ کے زمانہ میں سارے ملکوں میں اسلام پھیلا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ رسول کریم ﷺ کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی جب آپ کے کسی شاگرد کے ذریعہ پیشگوئی پوری ہو تو وہ آپ کی سمجھی جائے گی۔ آج اگر خدا تعالیٰ میرے ذریعہ امریکہ و افریقہ میں اسلام کو پھیلاتا ہے تو یہ کام میرا نہیں مسیح موعود علیہ السلام کا ہے اور آپ کا نہیں بلکہ رسول کریم ﷺ کا ہے۔ قرآن آپ لائے اور وہ آپ کے ہی دلائل ہیں جو اشاعت کا باعث بنتے ہیں۔ پس قرآن کریم کی یہ رسول کریم ﷺ کے متعلق پیشگوئی تیرہ سو سال کے بعد پوری ہونی شروع ہوئی ہے جسے دیکھتے ہوئے ہمیں یقین ہے کہ اب یہ پوری ہو جائے گی مگر باوجود اس کے خدا تعالیٰ کا کلام سچا ہے کیونکہ اس کا آپ کے ذریعہ پورا ہونا بھی آپ کا ہی کام ہے پس اللہ تعالیٰ نے پیشگوئیوں میں میرے جو کام بتائے ہیں وہ ممکن ہے میرے ہاتھ سے ہی ہوں یا ممکن ہے میرے شاگردوں کے ہاتھوں سے ہوں اور اگر ایسا ہو تو بھی پیشگوئیوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا دیکھنے والی بات صرف یہ ہے کہ اس کا ظہور مجھ سے ہوا یا نہیں اور جو شخص بھی اس بارہ میں غور کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ یہ ہو چکا ہے۔ قوموں کی رستگاری اور آزادی میرے ذریعہ ہوئی۔ احمدیت کی اشاعت، نظام جماعت میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا، جماعت کی شدید مخالفتوں کے مقابل پر اس نے مجھے اولوالعزم ثابت کیا، جب حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات پر خطرناک فتنہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے دبانے کی توفیق دی، پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا درجہ کم کرنے کی جو کوششیں پیغامیوں نے کیں ان کا کامیاب مقابلہ کرنے کی اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی اور اس کے لئے مافوق

العادت اور معجزانہ عزم مجھے بخشا اور اس طرح اولوالعزم کی پیشگوئی میرے متعلق پوری ہوگئی پھر دوسری خلافت پر مجھے متمکن کر کے اللہ تعالیٰ نے فضل عمر والی پیشگوئی کو بھی پورا کر دیا۔ حضرت عمرؓ کی تلوار سے جس طرح اسلام کے دشمن گھائل ہوئے اسی طرح میرے دلائل کی تلوار سے ہوئے اور اس طرح بھی یہ پیشگوئی پوری ہوئی، پھر جس طرح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مختلف بلاد میں اسلام پھیلا اسی طرح میرے زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کے نام اور اسکی شہرت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا اور اس طرح بھی یہ پیشگوئی پوری فرمادی۔ پھر میرے ذریعہ جماعت کا نظام قائم کر کے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ پیشگوئی پوری فرمائی وغیرہ۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت چاہے کہ بقیہ حصے ان لوگوں کے ذریعہ پورے ہوں جو سچے طور پر میری بیعت میں شامل ہیں تو اس سے پیشگوئی پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کے متعلق فرماتا ہے کہ

اَفَاِ نْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ

(آل عمران: 145)

اگر آپ فوت ہوجائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے۔ جب صداقت کے ثبوت پورے ہوجائیں اور سب باتیں ظاہر ہوجائیں تو پھر کیا ابتلاء کا موقعہ رہ جاتا ہے پس یہ درست نہیں کہ عمر کی کمی سے پیشگوئی غلط ثابت ہوتی ہے جب بقیہ باتیں پوری ہوجائیں اور ایک اپنی سمجھ کے مطابق پوری نہ ہو تو اس کی تعبیر کرنی پڑے گی۔

لیکن جیسا کہ میں بتا چکا ہوں یہ ضروری نہیں کہ موجودہ خوابوں کی تعبیر عمر کی کمی ہو لیکن اگر لفظی تعبیر بھی ہو تب بھی بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ہم نے دعا کی تو معلوم ہوا کہ آپ کی عمر بیس سال بڑھ گئی ہے اب کیا ممکن نہیں کہ کسی اور کی دعا سے تیس سال بڑھ جائے اور کسی اور کی دعا سے چالیس سال بڑھ جائے مگر میں کہتا ہوں کہ میرا کام سپاہی کی حیثیت رکھتا ہے میرا فرض یہی ہے کہ اپنے کام پر ناک کی سیدھ چلتا جاؤں اور اسی میں جان دے دوں۔ میرا یہ کام نہیں کہ عمر دیکھوں، میرا کام یہی ہے مقصود کو سامنے رکھوں اور اسے پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں اس یقین سے کھڑا ہوں کہ یہ مقصود ضرور حاصل ہوگا اور یہ کام پورا ہو کر رہے گا۔ یہ رات دن میرے سامنے رہتا ہے اور بسا اوقات میرے دل میں اتنا جوش پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو تو میں دیوانہ ہو جاؤں۔ اس وقت ایک ہی چیز ہوتی ہے جو مجھے ڈھارس دیتی ہے اور وہ یہ ہے کہ میری یہ سکیمیں سب خدا کیلئے ہیں اور میرا خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا۔ ورنہ کام کا اور فکر کا اسقدر بوجھ ہوتا ہے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقل کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے گا اور میں مجنوں ہو جاؤں گا مگر اللہ تعالیٰ نفس پر قابو دیتا ہے۔ ظلمت میں سے روشنی کی کرن نظر آنے لگتی ہے اور چاروں طرف مایوسی ہی مایوسی کے معاملات کو اللہ تعالیٰ امید اور خوشی سے بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا میرے ساتھ یہ معاملہ شروع سے ہے جب میں خلافت پر متمکن ہوا تو میری حالت کیسی کمزور تھی لیکن اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے اور بعد کے آنے والے حالات نے بتا دیا کہ واقعی کوئی ایسا نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات پر قادیان کو چھوڑ کر باہر کی اکثر جماعتیں متردّد ہوگئی تھیں اور جب میں نے یہ اعلان کیا تو پیغامی لوگ میرا مضحکہ اڑاتے تھے مگر آپ میں سینکڑوں ہزاروں ایسے ہیں جن کو سخت مخالفت کے بعد اللہ تعالیٰ میری طرف کھینچ لایا۔ پس جس کی ساری زندگی توکل پر گزری ہو جو برملا کہتا ہو کہ نہ مجھ میں علم ہے، نہ طاقت، نہ قوت ہے، نہ دولت، میں جاہل ہوں، کمزور ہوں، غریب ہوں اور میرے سب کام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے وہ مشکلات سے کب گھبرا سکتا ہے۔ میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں بڑا عالم ہوں بلکہ ہمیشہ یہی کہتا رہا ہوں کہ میں کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوں مجھے نہ انگریزی آتی ہے نہ کوئی اور علم۔ مجھے صرف ایک ہی علم آتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا علم ہے اس سے میں نے ہر میدان میں غلبہ حاصل کیا ہے اور اسی نے میرے لئے ہر تاریکی کو روشنی سے بدل دیا اور جس کا ہر لحہ اسی میں گزرا ہو وہ بھلا کب مایوس ہوسکتا ہے۔ میں اپنے سہارے پر نہیں کھڑا ہوں بلکہ مجھے کھڑا کرنے والی ایک اور طاقت ہے۔ جب تک مجھے اس کا سہارا ہے نہ میری موت مجھے نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ حیات خطرات میں ڈال سکتی ہے۔ رسول کریم ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت

ہوگئے ہیں مگر کیا ان کا کام رُک گیا۔ میں اس بات سے نہیں گھبراتا اگر مشیّتِ ایزدی یہی ہے کہ میری موت واقعہ ہوجائے تو یقیناً اسلام کی اور میری بہتری اسی میں ہے اور اگر مشیّتِ اِلٰہی مجھے زندہ رکھنا چاہتی ہے تو اسلام اور میری بہتری اسی میں ہے۔

کبھی الہامی عبارتوں میں موت کے معنی ایک حالت سے دوسری میں انتقال کے بھی ہوتے ہیں دنیا میں انسان ہزاروں دفعہ زندہ ہوتا اور ہزاروں دفعہ مرتا ہے۔ کسی کو ایک بیوی سے انتہائی محبت ہوتی ہے مگر کسی وجہ سے وہ ٹوٹ جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسان جو اُس عورت سے محبت کرتا ہے مر گیا، کبھی کسی انسان کو بدی سے محبت ہوتی ہے پھر وہ نیک ہوجاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلا انسان مر گیا اور دوسرا پیدا ہوا۔ پس کسی کو کیا معلوم ہے کہ موت کے کیا معنی ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ میں پہلے مریم تھا پھر عیسیٰ ہوا اور پھر بروزِ محمد ﷺ۔ یہ بھی گویا موت اور حیات کا ایک سلسلہ تھا اس لئے کسی کو کیا معلوم ہے کہ اس موت سے کیا مفہوم ہے ہاں مجھے اس پر وثوق حاصل ہے کہ اسی وقت اگر میری جان چلی جائے تو جو باتیں میں نے کہی ہیں وہ قائم رہیں گی اور انہیں کوئی نہیں مٹا سکتا میں نے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہی ہیں اور اس لئے وہ ہمیشہ قائم رہیں گی۔ درمیان میں گو بظاہر ایسا معلوم ہو کہ دشمن نے انہیں مٹا دیا مگر وہ نہیں مٹیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو باتیں آتی ہیں ان کی مثال اس کھلونے کی سی ہوتی ہے جسے آپ میں سے بعض نے دیکھا ہوگا ایک بڈھے بابا کی شکل بنائی ہوتی ہے جس کے سفید بال ہوتے ہیں وہ بکس میں بند ہوتا ہے اس کے ڈھکنے کو جب بند کردیا جائے تو وہ بڈھا نیچے چلا جاتا ہے اور جب کھول دیا جائے تو جھٹ باہر آجاتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی باتیں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں مجھے اللہ تعالیٰ سے آنے والی چیزوں سے تعلق ہے زندگی یا موت سے نہیں۔ اس سے آپ کو تعلق ہوگا کیونکہ جس سے محبت ہوتی ہے انسان کو اس کی زندگی کا فکر ہوتا ہے مگر میرے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کام کرنے کی توفیق ملے اور اسی میں جان چلی جائے چاہے آج چلی جائے چاہے پچاس سال بعد۔ اور جو اللہ تعالیٰ کیلئے مرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی غیرت کبھی ضائع نہیں ہونے دیتی اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ اسلئے دوست بے شک دعائیں کرتے رہیں میں بھی بعض اوقات دعا کرتا ہوں۔ یہ نہیں کہ نہیں کرتا اور وہ دعا اسی رنگ میں ہوتی ہے کہ الٰہی اسلام کی خدمت کی جو تجاویز میرے ذہن میں ہیں اگر ان کو بروئے کار لانے کا موقع ملے تو میں بھی اسلام کی ترقی کو دیکھ لوں اور کبھی نہیں بھی کرتا اور اس وقت دل پر اس خیال کا غلبہ ہوتا ہے کہ جس طرح خدا کی مرضی ہو، ہو جائے۔ دوست بے شک دعائیں کریں مگر جو بات سب سے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اصل مقصد ہمیشہ مدنظر رکھیں۔ میری ضرورت اسی لئے ہے کہ اسلام کی خدمت کرسکوں۔ پھر وہ بھی اسلام کی خدمت کیلئے اٹھیں اور اس کیلئے اسی طرح وقت دیں جس طرح میں چاہتا ہوں، اسلام اور احمدیت ایک ہی چیز ہیں اور اس وقت دونوں خطرہ میں ہیں اس لئے ہمیں چاہیئے کہ عاجزی اور انکسار کے ساتھ خدا کے حضور گر جائیں اور اس کے ساتھ تبلیغ کیلئے پوری کوشش کریں۔ آپ لوگوں میں سے ہزاروں ایسے ہیں جو گالیاں دیا کرتے تھے بعض لوگ بیعت کرنے لگتے ہیں تو ان کی چیخیں نکل جاتی ہیں کہ ہم بڑی گالیاں دیا کرتے تھے اور سینکڑوں خطوط ایسے آتے ہیں کہ ہم نے بہت مخالفت کی ہے اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ سلسلہ کی خدمت کی توفیق دے۔ پس یہ مت خیال کرو کہ لوگ نہیں سنیں گے نکلو اور تبلیغ کرو، جاؤ اور پیغام حق لوگوں کو پہنچاؤ، اخلاص محبت اور پیار سے باتیں سناؤ تمہاری آنکھوں سے اخلاص ٹپکتا ہو، تمہاری باتوں سے محبت ظاہر ہورہی ہو، تمہاری کسی حرکت میں کوئی رعونت نہ ہو، تمہارے دن رات اگر اس طرح تقسیم ہوجائیں کہ اگر اندر جاؤ تو یہی خیال ہو اور باہر آؤ تو یہی مدنظر ہو اور اگر تم خدا کے سامنے جھک جاؤ تو پھر زندگی کی غرض پوری ہوسکتی ہے جس دن آپ لوگوں کے اندر ایسا جنون پیدا ہوجائے گا جس دن مجھے ایسے نائب مل جائیں گے اس دن ہم دنیا میں عظیم الشان تغیرات پیدا کردیں گے۔

اسی غرض کیلئے میں نے ایک سکیم پیش کی تھی اس کے مالی حصہ کی طرف تو جماعت نے توجہ کی ہے مگر باقی کیلئے ابھی بہت توجہ کی ضرورت ہے باہر کی جماعتیں باقی حصہ کی طرف بھی توجہ کررہی ہیں مگر قادیان میں اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ میں محلوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس بات کا انتظام کریں کہ ہر

فرد جماعت سال میں ایک ماہ تبلیغ کیلئے وقف کرے اور جلد سے جلد ایسی فہرستیں تیار کر کے میرے سامنے پیش کریں۔ خالی روپیہ کی قربانی سے کچھ نہیں بنتا۔ اگر دس کروڑ روپیہ بھی جمع کر دیا جائے تو بھی جب تک جانی قربانی کیلئے دوست آمادہ نہ ہوں ترقی محال ہے اور جو شخص بارہ ماہ میں سے ایک ماہ بھی تبلیغ کیلئے نہیں دے سکتا اس سے یہ کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ جان قربان کر سکتا ہے پس تم اپنے اوقات کو اس طرح صرف کرو کہ زیادہ سے زیادہ وقت تبلیغ کیلئے نکال سکو۔ اس کے لئے روزانہ اٹھارہ گھنٹے بھی کام کرنا پڑے تو کرو اور اس سے ہرگز نہ ڈرو کہ اس طرح موت واقع ہو جائے گی کیونکہ خدا کیلئے جو جان جائے وہی حقیقی زندگی ہے۔ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ 18,17 اکتوبر 1934 سے لے کر آج تک سوائے چار پانچ راتوں کے میں کبھی ایک بجے سے پہلے نہیں سو سکا اور بعض اوقات تو دو تین چار بجے سوتا ہوں۔ بسا اوقات کام کرتے کرتے دماغ معطل ہو جاتا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ جب اسلام کا باطل سے مقابلہ ہے تو میرا فرض ہے کہ اسی راہ میں جان دے دوں اور جس دن ہمارے دوستوں میں یہ بات پیدا ہو جائے وہی دن ہماری کامیابی کا ہوگا۔ جلدی جلدی کرنے کی عادت پیدا کرو اُٹھو تو جلدی سے اُٹھو، چلو تو چُستی سے چلو، کوئی کام کرنا ہو تو جلدی جلدی کرو، دو گھنٹے کا کام آدھ گھنٹہ میں کرو اور اس طرح جو وقت بچے اسے خدا کی راہ میں صرف کرو۔ میرا تجربہ ہے کہ زیادہ تیزی سے کام کیا جا سکتا ہے۔ میں نے ایک ایک دن میں سو سو صفحات لکھے ہیں اور اس میں گو بازو شل ہو گئے اور دماغ معطل ہو گیا مگر میں نے کام کو ختم کر لیا اور یہ تصنیف کا کام تھا جو سوچ کر کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے کام اس سے آسان ہوتے ہیں اسی ہفتہ میں مَیں نے اندازہ کیا ہے کہ میں نے دو ہزار کے قریب رقعے اور خطوط پڑھے ہیں اور بہتوں پر جواب لکھے ہیں اور روزانہ تین چار گھنٹے ملاقاتوں اور مشوروں میں بھی صرف کرتا رہا ہوں۔ پھر کئی خطبات صحیح کئے ہیں اور ایک کتاب کے بھی دو سَو صفحات درست کئے ہیں بلکہ اس میں ایک کافی تعداد صفحات کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔

پس میں جانتا ہوں کہ اگر سُستی نہ کی جائے تو تھوڑے وقت میں بہت سا کام ہو جاتا ہے اس لئے وقت ضائع نہ کرو۔ ہمیشہ اپنے نفس سے پوچھتے رہو کہ ہم وقت ضائع تو نہیں کر رہے اور جب فرصت ملے تو اسے باتوں میں گنوانے کی بجائے تبلیغ میں صرف کرو اور پھر ہر شخص کم سے کم ایک ماہ تبلیغ کیلئے وقف کر دے۔ کارکن بھی باریاں مقرر کر لیں اور اس طرح ایک ایک ماہ دیں۔ صدر انجمن کو چاہئے کہ ان کیلئے انتظام کرے خواہ ان کی جگہ دوسرے آدمی رکھ کر ہی ایسا کرنا پڑے۔ اور اگر قادیان کے لوگ اس طرف توجہ کریں تو مجھے تین چار سَو مرد مبلّغ مل سکتا ہے گویا تین چار سَو ماہ کا کام کرنے کیلئے مل گئے۔ پس قادیان کے مختلف محلوں کو چاہئے کہ جس طرح مالی حصہ سکیم کے متعلق انہوں نے فہرستیں تیار کی تھیں۔ اس عملی حصہ سکیم کے متعلق بھی کریں کیونکہ یہ اس سے بہت اہم ہے۔ جلسے کر کے ایسے لوگوں کے نام لکھے جائیں جو ایک ایک ماہ دینے کو تیار ہوں اور یہ بھی معلوم کر لیا جائے کہ وہ کس ماہ وقت دینے کو تیار ہیں۔ اگر اس طرح کیا جائے تو قادیان کے لوگوں کے ذریعہ سے ہی سارے ضلع گورداسپور میں تبلیغ کی جا سکتی ہے۔

پس میں اُمید کرتا ہوں کہ جماعتیں محبت اور اخلاص کا اظہار عملی طور پر کریں گی۔ اس سکیم کا عملی حصہ باقی ہے پچھلے خطبہ کے بعد باہر سے کثرت سے درخواستیں آئی ہیں مگر قادیان والوں نے ابھی تک توجہ نہیں کی سوائے ان کے جنہوں نے کئی کئی سال کیلئے اپنی زندگیاں وقف کی ہیں باقی ایک ماہ دینے والے ایک دو سے زیادہ نہیں ہیں۔ پس محلوں میں ایسا انتظام کیا جائے کہ دوست ایک ایک ماہ دینے کیلئے اپنے نام لکھوائیں اور یہ بھی معلوم کر لیا جائے کہ وہ کب وقت دے سکیں گے بعض یونہی نام لکھوا دیتے ہیں ایسے لوگوں کو جب بلایا گیا تو کسی نے کہہ دیا مجھے فرصت نہیں۔ میں نے بھوپال میں زمین لی ہے میرا خیال تھا یہی کام وقف میں شمار کر لیا جائے۔ ایسے لوگوں نے سمجھا کہ جس طرح سکیم کے تمدنی حصہ کے متعلق میں نے کہا تھا کہ غرباء بھی ثواب میں شریک ہو سکتے ہیں شاید اس میں نام لکھوانا بھی ایسا ہی ہے پس جو دوست چاہیں یہ لکھوا سکتے ہیں کہ سال میں کوئی ایک مہینہ لے لیا جائے یا فلاں سے فلاں مہینہ تک یا پھر کوئی خاص مہینہ معین کر دیں۔ اور جو لوگ وقت نہ دے سکتے ہوں وہ یونہی اپنے نام نہ لکھوائیں بلکہ پہلے جو ایسے لوگ نام دے چکے ہیں وہ بھی واپس لے لیں۔ ورنہ میں ان کے متعلق اعلان کر دونگا کہ انہوں نے محض شہرت کیلئے نام لکھوا دیئے تھے بعض طالب علموں نے نام لکھا دیئے

ہیں جب بلایا جائے تو کہہ دیتے ہیں ہم طالب علم ہیں حالانکہ جب میں نے کہا تھا کہ طالب علم نام نہ لکھوائیں تو انہوں نے کیوں لکھوا دیا۔ پس ایسے لوگ اپنے نام واپس لے لیں یا یہ لکھ دیں کہ ہمارا وقت فلاں وقت سے شروع ہوگا اس کے بعد ان پر اعتراض نہ ہوگا لیکن اگر (قادیان سے باہر کے لوگوں کیلئے خطبہ شائع ہونے کے) دس روز تک ایسے لوگوں نے نام واپس نہ لئے تو میں اعلان کردوں گا کہ انہوں نے محض شہرت کیلئے نام لکھوا دیئے تھے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جتنی بھی عمر ہمیں ملتی ہے وہ نیک اور پاک ہو اور وہ ہمیں توفیق دے کہ اپنی زندگیوں کو ہم اس کی رضاء میں صرف کرسکیں اور ہر روز زیادہ سے زیادہ اصلاح یافتہ اور خدا سے پیار کرنے والے ہوں۔ اس کے فضلوں کے مستحق ثابت ہوں۔ جب موت آئے اس کی خوشنودی رضاء اور برکات کے ماتحت آئے اور موت کے بعد زندگی موجودہ زندگی سے لاکھوں درجہ بڑھ کر اچھی ہو۔ ہماری زندگیاں خدا کیلئے ہوں اور موت بھی خدا کیلئے ہو وہی ہمارا سہارا اور ہمارے توکل کی جگہ ہو۔

(الفضل 12فروری 1935)

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

ثاقب زیروی

ماہِ نبوت ، مہرِ رسالت۔ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم
صبحِ اَزل کے مطلعِ رحمت صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

شافعِ محشر، ہادیٔ صادق، مظہرِ لطف و رحمتِ خالق
ساقیٔ کوثر ، بحرِ سخاوت صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

سورۂ واللّیل آپؐ کے گیسو۔ معنیٔ قوسین آپؐ کے ابرو
کس کو ملی ہے ایسی فضیلت صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

مشعلِ ایماں نُورِ صداقت، آپؐ کی صورت، آپؐ کی سیرت
حجّتِ دیں ، اتمامِ نبوت صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

آپؐ ہی کا ہم کو ہے وسیلہ، آپؐ ہی کا ہم کو ہے سہارا
بہرِ خدا ہو چشمِ عنایت صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

نذرِ خزاں یہ گلشنِ جاں ہے، ذہن اسیرِ وہم و گماں ہے
پھر سے دکھادو، راہِ ہدایت صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

پیشِ نظر ہو روضہء اطہر، لکھتا رہوں بس نعتِ پیمبرؐ
ہے یہی اپنی زیست کی غایت صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

ذاتِ گرامی رحمتِ عالم، زخمِ نہاں کے آپؐ ہیں مرہم
مژدۂ امن و قلزمِ شفقت صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

ہو نہ عمل اخلاص سے خالی، جاں میں ہو اپنی رُوحِ بلالیؓ
دل میں ہو ہر دم آپؐ کی چاہت صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

آپؐ کا ثاقبؔ مدح سرا ہے آپؐ کے ہی در کا تو گدا ہے
نظرِ کرم ہو ، چشمِ عنایت، صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

پیشگوئی مصلح موعود کی عظمت اور قادیان کی گمنامی

محترم مولانا دوست محمد صاحب شاھد مورخ احمدیت

مذہبی تاریخ کا سنگِ میل

خدا کے محبوب بندے حضرت سیدنا محمود المصلح الموعود کی 76 سالہ مبارک زندگی مذہبی تاریخ کا ایک نا قابل فراموش سنگِ میل ہے جس کی ایک منفرد اور حیرت انگیز خصوصیت یہ ہے کہ اس کی جامع الہامی تاریخ رب العرش نے قبل از وقت آپ کی ولادت کے تین برس قبل بذریعہ الہام منکشف فرمادی۔ حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں:

''اس عالم کا مورخ اور واقعہ نگار بجز خدا کی کلام کے کوئی اور نہیں ہوسکتا۔۔۔وہ عقلی دلائل کے علاوہ بہ حیثیت ایک مورخ صادق عالم ثانی کے واقعات صحیحہ کی خبر بھی دیتا ہے اور چشمِ دید ماجرا بیان کرتا ہے۔''

(براہین احمدیہ حصہ سوم ص 289حاشیہ در حاشیہ نمبر 11طبع اول سفیر ہند پریس امرتسر 1882)

یہ کھلی حقیقت ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ کی جامع الہامی تاریخ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اشتہار 20 فروری 1886 میں شائع فرمادی تھی جس کے الفاظ کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ سیدنا محمود المصلح الموعودؓ کی ولادت باسعادت 12 جنوری 1889 کو قادیان میں ہوئی جس کی کسمپرسی حالِ زار اور گمنامی حضرت بانی سلسلہ کے اس مصرع کی مصداق تھی ع

قادیاں بھی تھی نہاں ایسی کہ گویا زیرِ غار

قادیان انیسویں صدی کے آخر میں

اس زمانہ میں قادیان کی مقدس بستی کی حالت یہ تھی کہ اس کی آبادی دو ہزار کے قریب ہوگی سوائے چند ایک پختہ مکانات کے باقی سب مکانات کچے تھے۔ بازار سے بیک وقت دو تین روپے کا آٹا بھی نہ مل سکتا تھا۔ تعلیم کیلئے صرف ایک پرائمری سکول تھا اور اسی کا مدرس کچھ الاؤنس لے کر ڈاک خانہ کا کام کردیا کرتا تھا اور چونکہ قادیان بٹالہ اسٹیشن سے گیارہ میل کے فاصلہ پر واقع تھا اور سڑک بالکل کچی تھی اس لئے ڈاک ہفتہ میں دوبار آتی تھی۔ کوئی سرکاری محکمہ ان دنوں یہاں نہیں تھا حتّٰی کہ پولیس کی چوکی تک نہ تھی اور کسی صنعت وحرفت کا کارخانہ یا منڈی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(تلخیص انوارالعلوم جلد 7ص 560-561)

عظیم الشان نشانِ آسمانی

یہ تھا وہ ماحول جس میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر مصلح موعود جیسی عظیم شخصیت کا انکشاف کیا گیا جس کی مختلف اوقات میں 52 علامات وخصوصیات بتائی گئیں اور حضرت اقدسؑ نے 22 مارچ 1886 کو بذریعہ اشتہار اعلان عام فرمایا کہ

'' یہ صرف پیشگوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جلشانہ نے ہمارے نبی کریم رؤوف ورحیم محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کیلئے ظاہر فرمایا ہے اور درحقیقت یہ نشان ایک مردہ کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ اعلیٰ واولیٰ واکمل وافضل واتم ہے۔۔۔اس جگہ بفضلہٖ تعالےٰ واحسانہ وببرکات حضرت خاتم الانبیاء ﷺ خداوند کریم نے اس عاجز کی دعا کو قبول کرکے ایسی بابرکت روح بھیجنے کا وعدہ فرمایا جس کی ظاہری اور باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی۔''

(مجموعہ اشتہارات جلد اول ص 114-115)

ازاں بعد دشمنان دین کو چیلنج کرتے ہوئے یہاں تک لکھا کہ:

''کیا تم فجر کے قریب آفتاب کو نکلنے سے روک سکتے ہو۔ایسے ہی تم آنحضور ﷺ کے آفتاب صداقت کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

(مجموعہ اشتہارات جلد اول ص 116)

حضرت مصلح موعود کا عہدِ طفولیت نامور صحافی اور مؤرخ کے تاثرات

متحدہ ہندوستان کے مسلم مشاہیر وزعماء میں مؤلف ''تاریخ اسلام'' اور ایڈیٹر ''پنجاب گزٹ'' سیالکوٹ جناب منشی غلام قادر فصیح صاحب ایک بلند پایہ علمی شخصیت شمار کئے جاتے ہیں۔تاریخ سیالکوٹ کے مؤلف جناب رشید نیاز صاحب آپ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:

''آپ ان عزیز الوجود سیاسی اکابرین میں سے تھے جن پر اہل سیالکوٹ ہی نہیں بلکہ اہل پنجاب فخر کرتے ہیں۔آپ سیالکوٹ کے اِن مشاہیر میں سے تھے جن کی علمی اور سیاسی خدمات آسمان سیاست پر درخشندہ ستارے کی طرح چمکتی رہیں گی۔''

(صفحہ 232-233ناشر مکتبہ نیاز سٹریٹ ڈاکٹر فیروزالدین سیالکوٹ تالیف فروری 1958)

منشی غلام قادر فصیح صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ ہی نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے فارسی و اردو نظموں کے مجموعہ ''دُرِّثمین'' کا پہلا ایڈیشن پنجاب پریس سیالکوٹ سے چھپوا کر 15 نومبر 1893 کو شائع فرمایا اور اسے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد المصلح الموعود کے نامِ نامی سے معنون (Dedicate) کیا جبکہ آپ کی عمر مبارک اس وقت چار برس بھی نہ تھی اور یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد واقعہ ہے جس کی کوئی ایک مثال بھی شاید مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں مسیح الزماں کے عقیدتمندوں میں اس آسمانی خبر نے کتنا زبردست اور زندہ یقین وعرفان اس کے عملی ظہور کی نسبت پیدا کر دیا تھا۔

چنانچہ آپ نے ''دُرِّثمین'' کے دیباچہ میں ''نذر'' کے زیرِ عنوان لکھا:

''بعالی خدمت جناب حضرت مرزا بشیر محمود صاحب خلف الصدق جناب امامنا ومرشدنا حضرت اقدس جناب مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود، خاکسار اپنے معصوم مرحوم بیٹے عبدالقیوم کی طرف سے جناب کی خدمت اقدس میں یہ اشعار نذر کرنے کی جرأت کرتا ہے۔عبدالقیوم کو جناب حضرت اقدسؑ کے خادموں میں شامل ہونے کی عزت حاصل تھی اگر وہ زندہ رہتا تو اس کی زندگی اپنے مرشد وامام کے مشن کی اشاعت کیلئے وقف ہو چکی تھی۔''

اس تمہید کے بعد آپ نے حضرت سیدنا محمود کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا:

''یہ متبرک اور مقدس رسالہ میں اپنے معصوم بچے کی طرف سے جناب کی خدمت اقدس میں (جو خود معصوم اور محفوظ ہیں) پیش کش کرتا ہوں۔آپ سے بہتر کون اس لائق ہوسکتا تھا کہ یہ مقدس رسالہ اس کی نذر کیا جائے آپ اس مقدس اور برگزیدہ باپ کے بیٹے ہیں جس کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانی نشانوں کے ساتھ دنیا کی اصلاح کیلئے شریعتِ اسلامی کی تجدید اور اشاعت اور مخالفین اسلام کا منہ بند کرنے کیلئے بھیجا ہے جس کے دامن سے بادشاہ برکت ڈھونڈیں گے۔اس جلیل امام سے جو وعدے خدائے بزرگ اور برتر نے کئے ہیں لاریب وہ پورے ہوں گے۔اس کی ذُرّیت اس کی (دعوت) زمین کے کناروں تک پہنچے گی اور بہت جلد وقت آنے والا ہے کہ مغربی قومیں بڑی نیازمندی کے ساتھ اسے اپنا امام و ہادی تسلیم کرلیں گی۔جھوٹے ریفارمروں اور کاذب مدعیوں کے نام ونشان مٹ جائیں گے پر یہ آسمانی نور ابدالآباد تک اپنی کامل چمک سے درخشاں رہے گا۔

الحاصل آپ ایسے مکرم ومقدس باپ کے بیٹے ہیں جس کی ثناء خود حق تعالیٰ اور عرش عظیم سے کرتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے کیونکہ آپ واقعی نیازمندوں اور خادموں کی امیدگاہ ہیں امید کہ آپ اسے شرفِ قبولیت بخشیں گے۔

''میں ہوں آپ کا اور جناب امامنا ومرشدنا حضرت اقدس جناب مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کا سچا خادم خاکسار غلام قادر فصیح 15 نومبر 1893''۔

(روزنامہ الفضل 21 فروری 2003)

تعلیم الاسلام

جماعت احمدیہ کا تعلیمی نظام۔ایک خدائی تحریک

محمد شریف خان۔ فلاڈلفیا، امریکہ

تاریخِ احمدیت کے ورق ورق پر جماعت احمدیہ پر قدم بہ قدم خدا تعالیٰ کے نازل ہونے والے احسانوں کا اس تواتر سے ذکر ملتا ہے کہ انسان بے اختیار خدا تعالیٰ کی حمد و توصیف کرتا ہوا جھوم اٹھتا ہے۔تاریخ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ مسیح موعودؑ کی ہر دعا کی قبولیت کے حیران کن واقعات سے بھری پڑی ہے۔دعاؤں کی قبولیت کے مبارک اثرات دنوں، ہفتوں، مہینوں نہیں بلکہ سال ہا سال سے چلے آرہے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔حضور علیہ السلام ایک ضرورت کے لئے دعا کرتے ہیں۔وہ ضرورت نہ صرف پوری ہو جاتی ہے بلکہ اس دعا کے نیک اثرات سے حالات سالہا سال بہتر سے بہتر صورت اختیار کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ آسمانی مائدہ آئندہ نسلوں کو متمتع کرتا ہوا اچلا جاتا ہے اور جماعت کی ہر نسل خدا کے فضلوں کو نازل ہوتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے ایمان میں پختہ سے پختہ ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسطرح کا ایک واقعہ جماعت کا 1898 میں اپنا پرائمری سکول شروع کرنا ہے۔جو بظاہر ایک وقتی ضرورت تھی مگر حضور علیہ السلام کی دعاؤں کے طفیل یہ پرائمری سکول باوجود بہت سی رکاوٹوں کے چند سالوں میں حضورؑ کی زندگی میں ہی کالج کے درجے تک پہنچ گیا! آیئے آج ہم خدائی تحریک کے تحت قائم ہونے والے اس مبارک نظامِ تعلیم کی تاریخ کا مطالعہ کر کے اپنے ایمانوں کو تازہ کریں۔

اٹھارہویں صدی کے آغاز میں انگریزوں کے قدم ہندوستان میں مضبوطی سے گڑ چکے تھے۔اور ہندوستان میں اسلامی دفاعی قوتیں شل ہو کر بے فائدہ ہو چکی تھیں۔جس سے بالخصوص مسلمانوں میں سخت مایوسی اور انگریزوں کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی۔جسے مولویوں نے اپنی کوتاہ فہمی سے مزید بھڑکایا اور انگریزوں کی مفید اصلاحات سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانے سے کلیۃً روک دیا۔ستم ظریفی یہ کہ مسلمان بچوں کو حکومت کے قائم شدہ سکولوں میں داخلہ لینے سے منع کر دیا۔اور انہیں دباؤ ڈال کر اپنے قائم کردہ سکولوں میں قید کر لیا۔جبکہ ہندوؤں نے حکومت کی تجویز کردہ تمام اصلاحات سے فائدہ اٹھایا، اور کچھ ہی عرصہ میں اکثر حکومتی عہدوں پر ہندو ہی ہندو نظر آنے لگے۔مسلمان بچے مرّ وجہ علوم سے نابلد مولویوں کے مدرسوں تک محدود ہو کر رہ گئے۔جہاں انکے سر اور آنکھوں پر عصبیت کی پٹی کس کر باندھ دی جاتی جس سے انکی اپنی خداداد سوچ اور سمجھ دب کر دم توڑ گئی۔اور اس طرح علم اور سوچ سے بے بہرہ مسلمانوں کی نسلیں پیدا ہوتی چلی جارہی ہیں۔

نبّاضِ وقت حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو علومِ جدیدہ کے حاصل کرنے کی نہ صرف تاکید فرمائی بلکہ ان علماء کی اس فاش غلطی کہ علوم جدیدیہ کو حاصل کرنا خلافِ اسلام اور گمراہی کی جڑ ہے کے خلاف مسلمانوں کو جھنجھوڑا۔اور توجہ دلائی کہ اس خطرناک خیال نے کس طرح مسلمانوں کو ہندوستان میں بسنے والی دوسری اقوام کے مقابل ترقی کی دوڑ میں پیچھے رکھا ہے۔حضورؑ نے اسوقت بالخصوص احمدیوں کو علومِ جدیدہ حاصل کرنے کی مندرجہ ذیل پرزور الفاظ میں تاکید فرمائی:

''میں ان مسلمانوں کو غلطی پر جانتا ہوں جو علومِ جدیدہ کے مخالف ہیں۔وہ دراصل اپنی غلطی اور کمزوری کو چھپانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ان کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ علومِ جدیدہ کی تحقیقات اسلام سے بدظن کر دیتی ہے اور وہ یہ قرار دیئے بیٹھے ہیں کہ گویا عقل اور سائنس اسلام سے بالکل متضاد چیزیں ہیں۔کیونکہ خود فلسفہ کی کمزوریوں کو ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لئے یہ بات تراشتے ہیں کہ علومِ جدیدہ کا پڑھنا ہی جائز

نہیں۔انکی روح فلسفہ سے کانپتی ہے اور نئی تحقیقات کے سامنے سجدہ کرتی ہے''۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 43)

چنانچہ حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کے اس ارشاد کے باعث احمدی گھرانے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کرنے لگے تھے۔حضور کے زمانے میں قادیان میں دو پرائمری سکول تھے۔اندرونِ شہر آریہ پرائمری سکول اور بیرونِ شہر ریتی چھلہ میں گورنمنٹ پرائمری سکول۔دونوں میں اساتذہ اور انتظامیہ آریہ سماجی ہندوؤں پر مشتمل تھی۔جن کا رویہ ہمیشہ مسلمان طلباء کے ساتھ معاندانہ تھا۔غیر مسلم اساتذہ مسلمان طلباء کی دلآزاری کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔نت نئے ذرائع سے مسیحِ پاک اور دوسرے اکابرینِ اسلام کے بارے میں زبانِ طعن کھولتے۔اس طرح مسلمان بچوں کے معصوم خیالات پر اثر انداز ہوکر دلآزاری کا باعث بنتے۔جب ان واقعات کی اطلاع حضور علیہ السلام کو دی گئی،حضور کو سخت دکھ ہوا۔آپ نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی،احباب سے مشورہ بھی فرمایا۔اور مدرسے کے قیام کا انتظام کرنے کے لئے ''کمیٹی انجمن تعلیم الاسلام قادیان'' مقرر فرمائی۔جس کے صدر حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ،محاسب میر ناصر نواب صاحبؓ،سیکریٹری خواجہ کمال الدین صاحب اور نائب سیکریٹری مولوی عبدالکریم صاحبؓ تھے۔آخر کار (''اسلامی روشنی ملک میں پھیلانے اور طوفانِ ضلالت میں اسلامی ذرّیت کو غیر مذاہب کے وساوس سے بچانے کے لئے'') 3 جنوری 1898 کو قادیان میں مدرسہ تعلیم الاسلام کی بنیاد رکھی گئی۔اور شیخ یعقوب علی صاحب ترابؓ مدیر الحکم سکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر کئے گئے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسکول نے سرعت کے ساتھ ترقی کی منازل طے کیں۔5 جولائی 1898 سے مڈل کی جماعتوں کا اضافہ کیا گیا۔اور پھر فروری 1900 میں نویں جماعت کے اجراء سے ''تعلیم الاسلام'' ہائی اسکول کے درجے پر پہنچا اور مارچ 1901 میں دسویں جماعت کا اضافہ ہوا۔1902 میں پہلی بار چار طلبہ انٹرنس (میٹرک) کے امتحان میں شامل ہوئے،یہ تعداد 1903 اور 1904 میں سات اور 1905 میں دس تک پہنچ گئی۔

مدرسہ سے متعلق مسائل

احمدی طلباء کی بہبود کے لئے سکول کا اجراء اور کالج کے قائم کرنے کا فیصلہ تو ہوگیا جس کے ساتھ ہی جماعت کے اخراجات میں اضافہ ہونا ناگزیر تھا۔جماعت اس وقت اپنے ابتدائی دور میں تھی۔حضرت مسیحِ موعودؑ بڑی سرعت کے ساتھ خدائی منشاء کے مطابق اسلام کی اشاعت اور ترویج کی طرف متوجہ تھے۔اور مخالفین کے جواب اور اسلام کی تبلیغ کے لئے تصانیف تحریر فرما رہے تھے۔پھر کتب کی چھپائی اور اشاعت کے کٹھن مرحلے آپ کی توجہ کے محتاج تھے۔لنگر خانے کے متعلق مسائل،خرچ،مہمانوں کا قیام اور طعام اور دلجوئی آپ کی توجہ لئے ہوئے تھی۔ریویو آف ریلیجنز اُردو اور انگریزی کی باقاعدہ چھپائی۔مخالفین کے آئے دن دائر کئے جانے والے مقدمات،اور انکی پیروی میں حضورؑ کے بار بار قادیان سے باہر تشریف لے جانے پر معتد بہ اخراجات اُٹھ رہے تھے۔جماعتی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہونے والی تعمیرات اور ملک کے مختلف علاقوں میں تبلیغ پر ایک بھاری رقم ماہ بماہ خرچ ہو رہی تھی۔اسی طرح اشتہارات اور اخبارات کی اشاعت بھی ایک مستقل خرچہ تھا۔

جماعت کا ابھی ابتدائی دور تھا۔چندے وغیرہ کا باقاعدہ نظام قائم نہیں ہوا تھا۔ہر ضرورت کے وقت جماعت میں چندہ کی اپیل کردی جاتی تھی۔جس کے جواب میں مخلصین منی آرڈروں اور دوسرے ذرائع سے لبیک کہتے ہوئے حسبِ توفیق جو کچھ ہوتا پیش کر دیتے اس طرح خدائی برکت سے یہ تمام ضرورتیں بخوبی پوری ہو رہی تھیں۔سکول کے قیام سے اخراجات میں معتد بہ اضافہ ہوا۔چنانچہ حضورؑ نے 16 اکتوبر 1903 کو ایک اشتہار بعنوان ''ایک ضروری امر اپنی جماعت کی توجہ کے لئے''،تحریر فرمایا جس میں مدرسہ کے سلسلے میں پیش آمدہ مشکلات کے بارے میں درجِ ذیل الفاظ میں ذکر فرمایا:

''ان دنوں میں ہمارا یہ مدرسہ بڑی مشکلات میں پڑا ہوا ہے، اور باوجودیکہ محبی عزیزی اخویم نواب محمد علیخان صاحب رئیس مالیرکوٹلہ اپنے پاس سے اسّی روپیہ ماہوار اس مدرسہ کی مدد کرتے ہیں مگر پھر بھی استادوں کی تنخواہیں ماہ بماہ ادا نہیں ہوسکتیں۔ صدہا روپیہ قرضہ سر پر رہتا ہے۔ علاوہ اسکے مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری ہیں جو ابھی تیار نہیں ہوسکیں۔۔۔ آخر یہ تدبیر میرے خیال میں آئی کہ میں اس وقت اپنی جماعت کے مخلصوں کو بڑے زور کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اگر اس بات پر قادر ہوں کہ پوری توجہ سے اس مدرسہ کے لئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کریں۔ تو چاہیئے کہ ہر ایک ان میں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جس کے لئے وہ ہرگز تخلف نہ کرے۔۔۔ میری دانست میں اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی برکات کا موجب ہوگا اور اس کے ذریعہ سے ایک فوج نئے تعلیم یافتوں کی ہماری طرف آسکتی ہے''۔

(ریویو آف ریلیجنز اردو صفحہ 464-465 نومبر، دسمبر 1903)

بے نفس اساتذہ

مدرسہ کے اساتذہ بے نفس اور ایثار پیشہ اور مخلص بزرگ تھے۔ حضورؑ کے ارشاد کی تعمیل میں محض خدمتِ دین کی خاطر قادیان جیسی چھوٹی سی بستی میں آبسے تھے۔ اپنی مسلمہ قابلیت اور اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود تھوڑی سی تنخواہ (جسے عرفِ عام میں ''گزارا'' کہا جاتا تھا) پر بخوشی بسر اوقات کرتے۔ کئی دفعہ مالی مشکلات کے باعث تنخواہ کے بغیر لنگر خانے کے کھانے پر ہی گزر اوقات ہوتی۔ یہ فدائی حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کے قدموں میں رہ کر اس قومی تربیت گاہ کی خدمت کرنے کو ایک فخر و سعادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضورؑ نے ایک مکتوب میں فرمایا:

''یہ مدرسہ محض دینی اغراض کی وجہ سے ہے اور صبر سے اس میں کام کرنے والے خدا تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوتے جاتے ہیں''۔

(ذکرِ حبیبؑ مؤلفہ مفتی محمد صادق صاحبؓ، صفحہ 137)

خالص دینی ماحول

مدرسہ تعلیم الاسلام بیسویں صدی میں اپنی نوعیت کا وہ واحد مدرسہ تھا، جسکے اساتذہ اور طلباء کو مسیحِ زماں حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کی تاثیراتِ قدسیہ کے طفیل ایک بے مثال روحانی اور مذہبی فضا میسر تھی۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ نے اخبار الحکم 7 فروری 1903 میں تحریر فرمایا:

''ہمارے مدرسہ کے لڑکے خدا کے مسیح کو دیکھتے ہیں۔ آپ کی تقریروں کو سنتے ہیں۔ آپ کے پاک نمونہ کو مشاہدہ کرتے ہیں۔۔۔ ہر روز باقاعدہ عصر کے بعد لڑکوں کو حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے درس قرآن مجید میں شامل ہونے کو عزت دیتے ہیں۔ یہ بھی ایسی نعمت ہے کوئی ملک اور شہر اس میں ہمارا شریک نہیں۔''

مدرسہ تعلیم الاسلام کی دن دوگنی رات چوگنی ترقی

محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کی دعاؤں کے طفیل مدرسہ تعلیم الاسلام نے جس سرعت سے درجہ بدرجہ ترقی کی اس کا کچھ اندازہ درجِ ذیل جدول سے لگایا جاسکتا ہے:

سال اور تاریخ	ترقی	ہیڈ ماسٹر - پرنسپل
یکم جنوری 1898	قادیان: مدرسہ تعلیم الاسلام (پرائمری)	شیخ یعقوب علی تراب
5 مئی 1898	تعلیم الاسلام مڈل سکول	مولانا شیر علی صاحب
فروری 1900	تعلیم الاسلام ہائی سکول (نویں کلاس)	مفتی محمد صادق صاحب
مارچ 1901	تعلیم الاسلام ہائی سکول (دسویں کلاس)	
28 مئی 1903	تعلیم الاسلام انٹر کالج	مولانا شیر علی صاحب
1905	کالج کی بندش بوجہ یونی ورسٹی ایکٹ	
14 جون 1944	دوبارہ اجراء، تعلیم الاسلام انٹر کالج	حضرت مرزا ناصر احمد صاحب
1945	تعلیم الاسلام ڈگری کالج	
30 جون 1947	تعطیلاتِ موسمِ سرما۔ ملکی بٹوارا	
10 دسمبر 1947	لاہور۔ تعلیم الاسلام انٹر کالج	حضرت مرزا ناصر احمد صاحب
6 دسمبر 1954	ربوہ۔ تعلیم الاسلام انٹر کالج	
1962-1961	تعلیم الاسلام ڈگری کالج	
1964-1963	تعلیم الاسلام پوسٹ گریجوئیٹ کالج	
1965		قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے کینٹب
1973	سرکاری تحویل میں	چوہدری محمد علی صاحب ایم اے
1975 سے تا حال	محکمہ تعلیم گورنمنٹ پنجاب۔ پاکستان	محکمہ تعلیم کے مقرر کردہ

تعلیم الاسلام نظام تعلیم کی انفرادیت

اللہ تعالیٰ کے فضل سے قائم ہونے والا یہ نظامِ تعلیم ''مدرسہ تعلیم الاسلام'' دن دوگنی رات چوگنی مثالی ترقی کرتے ہوئے اردگرد کے علاقے کے مدرسوں اور سکولوں کو جلد ہی پیچھے چھوڑ گیا اور اساتذہ کی لگن اور محنت کے باعث دُور ونزدیک شہرت پا گیا تھا۔ اس نظام تعلیم میں طلباء کو مروجہ مضامین کے علاوہ ان کے مذہب سے روشناس کرایا جاتا، انہیں اپنے مذہبی عقائد کے مطابق عبادت کرنے کی ترغیب دی جاتی۔ اساتذہ اور انتظامیہ بلا امتیاز مذہب پوری محنت اور تندہی کے ساتھ طلباء کی تعلیم اور تربیت میں حصہ لیتے۔ سکول سے متعلق تعمیرات کا انتظام نواب محمد علی خان صاحب کے سپرد تھا۔ آپ نے سکول کی ضروریات کے مطابق بڑی تندہی سے عمارات کا انتظام فرمایا۔ ابتدءً امدرسہ مہمان خانے کے دو کمروں میں قائم تھا، جلد ہی طلباء کی تعداد میں اضافہ کے باعث مزید تین اور کمرے تعمیر کئے گئے۔ پھر جلد ہی عمارت میں مزید توسیع کر دی گئی۔ ڈھاب کا کچھ حصہ پُر کر کے اس میں بورڈنگ ہاؤس تعمیر کیا گیا۔

مالی مشکلات

سکول میں طلباء سے کوئی فیس وصول نہیں کی جاتی تھی (الحکم 17 مئی 1903)۔ طلباء کی دن بدن بڑھتی ہوئی تعداد کے نتیجے میں مالی مسائل کا پیدا ہونا ایک قدرتی عمل تھا۔ اساتذہ کی تنخواہوں کی ادائیگی کئی کئی ماہ تک نہ ہوسکتی۔ گو حضرت نواب محمد علی خان صاحب 80 روپے ماہانہ باقاعدہ سکول فنڈ میں ادا کرتے، اسی طرح حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب کئی طلباء کو وقتاً فوقتاً ماہواری یا یکمشت مدد دیا کرتے۔ نواب فتح نواز جنگ مولوی مہدی حسن صاحب بیرسٹرایٹ لاء لکھنؤ 5 روپے

ماہوار ادا کرتے۔نواب محمد علی خان صاحب کی تجویز پر ایک کونسل ٹرسٹیاں کم از کم ساٹھ روپے سالانہ یا مدرسہ کی علمی مدد کر سکنے والے اکیس افراد پر مشتمل کونسل بنائی گئی۔نواب صاحب کونسل کے صدر مقرر ہوئے،آپ نے ایک ہزار روپے سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔

ان کوششوں کے علاوہ اخراجات پورا کرنے کے لئے جماعت کو بار بار یاد دہانی کرائی جاتی تھی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 16 اکتوبر 1903 کو ایک اشتہار بعنوان ''ایک ضروری امر اپنی جماعت کی توجہ کے لئے'' میں سکول کے اخراجات کے سلسلے میں اپنے فکر کا اظہار فرماتے ہوئے اخراجات کے لئے جماعت کو ماہانہ چندہ مقرر کرنے کی تجویز بیان فرمائی:

''ہر ایک ان میں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جس کے لئے وہ ہرگز تخلف نہ کرے مگر کسی مجبوری سے جو قضاء وقدر سے واقع ہو۔اور جو ایسا نہ کر سکیں ان کے لئے بالضرورت یہ تجویز سوچی گئی ہے کہ وہ جو کچھ لنگر خانہ کے لئے بھیجتے ہیں اسکا چہارم حصہ براہِ راست نواب صاحب موصوف کو بھیج دیں''۔پھر حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے 4 فروری 1903 کو اخبار الحکم میں احبابِ جماعت کو اس سلسلے میں انکی ذمہ داریوں کی یاد دہانی کرائی۔اسی طرح مفتی محمد صادق صاحبؓ نے ہر شہر کی جماعت کو تین یا پانچ روپے کے'' وظائف مساکین'' جاری کرنے کی اپیل کی (البدر 7 اگست 1903)۔باوجود ان تمام مالی مشکلات کے، اللہ تعالیٰ کا فضل قدم قدم شاملِ حال رہا اور یہ خدائی منصوبہ آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔اور مسیحِ دوراں کی دعاؤں اور راہنمائی کے طفیل مدرسہ پرائمری سے بتدریج ترقی کرتا ہوا مڈل اور پھر انٹرنس (میٹرک) کے درجات طے کرتا ہوا اب انٹر کالج کے قالب میں ڈھلنے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔تعلیم الاسلام ہائی سکول سے میٹرک پاس کرنے والے طلباء کے لئے سکول کمیٹی نے کالج کے اجراء کی تجویز دی چنانچہ کالج کمیٹی نواب محمد علی خان صاحبؓ کی ڈائریکٹرشپ میں مقرر کی گئی۔نواب صاحب موصوف تقریباً اپنا سارا وقت کالج کو دیتے اور اسکی کئی ضروریات کے کفیل تھے۔

تعلیم الاسلام انٹر کالج کا افتتاح

مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے 4/فروری 1903 کو ایک مفصل مضمون تحریر فرمایا جس میں مجوزہ کالج کے درجِ ذیل خدّ وخال واضح کئے:

''سر دست تو کالج ایف۔اے تک ہوگا،اور اس میں بھی سارا دارومدار توکل پر۔ورنہ حق تو یہ تھا کہ آغاز ہی میں پورا کالج بنایا جاتا۔ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کارروائی کو جلد بازی پر محمول کریں اور جوش سے کہہ دیں یا رائے دیں کہ ابھی وقت قلتِ سرمایہ کے سبب سے اس امر کا مقتضی نہیں کہ کالج جاری کیا جائے مگر اس رائے زنی میں وہ خود جلد باز اور غور نہ کرنے والے ٹھہریں گے۔اس لئے کہ انٹرنس تک محدود ہو کر رہنے میں مدرسہ کی وہ غرض پوری نہیں ہوتی یا آخر کار اس کے نابود ہونے کا اندیشہ ہے جو ہمیں اس کارِ خیر کی محرک ہوئی۔۔۔کالج کھولنے سے ایک سال تک کوئی زائد خرچ نہیں پڑے گا''۔

درجِ ذیل اساتذہ ایک ایک گھنٹہ مختلف مضامین پڑھانے پر مقرر کئے گئے:

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ پرنسپل و لیکچرار انگلش (کچھ عرصہ حافظ عبدالعلی صاحبؓ بھی انگریزی پڑھاتے رہے)۔

مفتی محمد صادق صاحبؓ مینیجر و لیکچرار منطق و سپرنٹنڈنٹ۔

حکیم مولوی عبیداللہ صاحبؓ بسمل لیکچرار فارسی۔

حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ لیکچرار دینیات۔

مولانا عبدالکریم صاحبؓ لیکچرار عربی۔

اور مولوی محمد علی صاحب ایم اے لیکچرار ریاضی۔

جبکہ دوسرے مضامین فلاسفی،اور تاریخ،جب دوسرے احباب دستیاب ہوتے ان کے سپرد کر دیئے جاتے تھے۔

کالج کی افتتاحی تقریب کا اہتمام 28 مئی 1903 کو کیا گیا۔ حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام علالتِ طبع کے باعث رونق افروز نہ ہو سکے، حضورؑ نے وعدہ فرمایا کہ افتتاحی تقریب کے وقت کے دوران حضور بیت الدعا میں کالج کے لئے دعا فرمائیں گے۔ حضور نے حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کو افتتاحی تقریب کی صدارت کرنے کا ارشاد فرمایا۔ نواب محمد علی خان صاحبؓ ڈائیریکٹر کالج کمیٹی نے اپنے مختصر خطاب میں فرمایا:

''خدا کی ذات سے بڑی امید ہے کہ یہ کالج بہت جلد ایک یونیورسٹی ہوگا اور اس احمدی جماعت کے لئے ایک مفید دارالعلوم ثابت ہوگا۔ یہ کالج خدا کے فضل سے چلے گا اور خدا کے صادق بندے مسیحِ موعود علیہ السلام کی دعاؤں سے نشو ونما پائے گا۔''

حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ نے اپنے نہایت ایمان افروز صدارتی خطاب میں طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''۔۔۔علوم کی تحصیل آسان ہے مگر خدا کے فضل کی نیچے اسے تحصیل کرنا یہ مشکل ہے۔۔۔تم بھی اللہ پر کامل یقین کر واور دعاؤں کے ذریعے، جو کہ دنیا کی مخالفت میں سپر ہیں، فضل چاہو۔ کتاب اللہ کو دستورالعمل بناؤ تا کہ تم کو عزت حاصل ہو۔ باتوں سے نہیں بلکہ کاموں سے اپنے آپ کو اس کتاب کے تابع ثابت کرو۔ ہنسی، تمسخر، ٹھٹھا، ایذا، گالی یہ سب اس کتاب کے برخلاف ہے۔ جھوٹ سے، لعنت سے تکلیف اور ایذا دینے سے ممانعت اور لغو سے بچنا اس کتاب کا ارشاد ہے۔ صوم اور صلوٰۃ اور ذکر شغل الٰہی کی پابندی اس کا اصول ہے''۔

(الحکم 24/ جون 1903)

کالج کے شاندار نتائج

دو سال بعد یونیورسٹی کے نتائج نے کالج کی شاندار کارکردگی کو ظاہر کیا۔ چنانچہ 1905 کے یونیورسٹی کے 38 فیصد نتیجہ کے مقابلے میں کالج کا نتیجہ 75 فیصد رہا! جبکہ اردگرد کے کالجوں کا نتیجہ 50 فیصد تھا۔ اس شاندار نتیجہ نے قادیان میں کالج کے قیام کا جواز نہ صرف ثابت کر دیا بلکہ اس بات کو محکم کر دیا کہ دینی تعلیم کسی صورت بھی عام تعلیم کے حصول میں رکاوٹ نہیں۔ بلکہ طلباء کے ذہن کو جلاء بخشتی ہے۔

یونیورسٹی ایکٹ کا نفاذ اور کالج کی بندش

لارڈ کرزن وائسرائے ہند کے ''یونیورسٹی ایکٹ'' نے حکومت کو تعلیمی اداروں میں مداخلت کے وسیع اختیارات تفویض کر دیئے تھے۔ اس قانون کی دفعہ نمبر 21 کے مطابق یونیورسٹی سے الحاق کیلئے تین کڑی شرائط تھیں:

1۔ کالج کی مستحکم مالی حیثیت
2۔ ٹرینڈ سٹاف کی دستیابی
3۔ مستقل عمارت

ظاہر ہے یہ تینوں شرائط فی الحال ایک غریب لیکن پرعزم جماعت کے لئے پوری کرنا مشکل تھیں۔ باوجود جوش وجذبے کے کالج مجبوراً بند کرنا پڑا۔ کیونکہ جماعت احمدیہ کے خمیر میں ملکی قوانین کا احترام اور تعاون شامل ہے۔ جیسا کہ بعد میں ظاہر ہوا اسی میں خیر وبرکت تھی۔

کالج کا ازسرِ نو قیام

کالج کی بندش میں اللہ تعالیٰ کی کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں۔اول تو ثابت ہو گیا کہ جماعت کا وضع کردہ طریق تعلیم جس میں طلباء کے مذہب، رنگ و نسل سے بالا رہ کر یکساں تعلیم دی جاتی تھی، بہترین ہے۔اور جسے سکول اور کالج کے ابتدائی قابلِ فخر نتائج نے ثابت کر دیا تھا۔دوسرے خدائی حکمت تھی کہ کالج قانونی، مالی اور دنیاوی طور پر باوقار اور محکم بنیادوں پر قائم ہو۔کالج کی بندش کے دوران کے وقفے میں سکول اور بورڈنگ کی مجوزہ عمارات مکمل ہوئیں۔ جماعت کی مالی حالت مستحکم ہوئی۔کالج انتظامیہ کو اچھے طور پر حالات کو جانچنے کا موقعہ ملا۔اساتذہ کو اپنی استعدادوں کو مزید بہتر بنانے کا موقعہ ملا۔

اس دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک دورِ خلافت کا آغاز ہوا۔آپ نے جماعت کے پہلے مشاورتی اجلاس میں کالج کے قیام کی خواہش کا اظہار فرمایا۔(منصبِ خلافت صفحہ 37)۔لیکن پچیس سال سے زائد کا لمبا عرصہ گزر گیا کالج کے دوبارہ اجراء کا موقعہ نہ پیدا ہوا لیکن اس دوران آہستہ آہستہ کالج کے لئے ایک مستحکم بنیاد فراہم کرنے کی تیاری ہوتی رہی۔سب سے اہم یہ کہ جماعتی ادارے مستحکم ہوئے۔اور اداراجات کی تقسیمِ کار مقرر ہوئی۔قوائد کی تدوین ہوئی۔اُس وقت جماعت کی زیادہ تر توجہ اندرون اور بیرونِ ملک اشاعتِ اسلام اور اشاعتِ لٹریچر پر مرکوز رہی۔اخبارات اور رسائل کا اجراء ہوا۔بین الجماعتی رابطے استوار ہوئے۔اسطرح جماعت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ کی خداداد قیادت میں درجِ ذیل الہام کے مطابق مستحکم بنیادوں پر استوار ہوئی۔

''بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید۔و پائے محمدیاں بر مقام بلند تر محکم افتاد۔''

(تذکرہ 99)

کالج کے دوبارہ اجراء کی تیاریاں

آخر کار اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے وہ ساعتِ سعد آ گئی، اور حضرت مسیحِ موعودؑ اور اقارب صحابہؓ کی دعاؤں کی قبولیت کا وقت آن پہنچا۔تیسویں مجلس مشاورت میں بحث کے دوران دوبارہ کالج جاری کرنے کی الٰہی تحریک پیدا ہوئی اور چند افراد نے چشمِ زدن میں ہزاروں روپے جمع کر دیئے۔اور کئی ہزار روپے کے وعدے ہوئے۔الحمدُ للہ۔

دیکھئے اب کیسے خدا تعالیٰ کے فضلوں کے دروازے ایک ایک کر کے کھلتے چلے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے قانون کے مطابق مستقل عمارات تیار تھیں، مناسب تعلیم سے آراستہ اساتذہ مہیا تھے، اور جماعت مالی لحاظ سے مستحکم تھی۔حضورؓ نے کالج کے منصوبے کو جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک کمیٹی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی صدارت میں مقرر فرمائی، جس کے ممبران حضرت مرزا ناصر احمد صاحب ایم اے (آکسن)۔حضرت مولوی محمد دین صاحب بی اے۔ قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے (کینٹب) اور ملک غلام فرید صاحب ایم اے (سیکریٹری) تھے۔

کمیٹی نے فوری طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔چنانچہ جنوری 1944 کو پنجاب یونیورسٹی کی جائزہ کمیٹی قادیان آئی۔تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عالیشان عمارت اور وسیع گراؤنڈ دیکھ کر 45,000 روپے کالج کی مد میں بینک میں داخل کرنے کی ہدایت کے ساتھ کالج کے قائم کرنے کی سفارش کر دی۔چنانچہ 2 جون 1944 کو جماعت کو تعلیمی سال کے شروع سے کالج کے اجراء کی اجازت مل گئی۔جس کا اعلان الفضل 5/جون 1944 میں کر دیا گیا۔حضورؓ نے ابتدائی اخراجات کے لئے 70,000 روپے کا بجٹ منظور فرمایا۔اور کالج کا نام ''تعلیم الاسلام کالج'' تجویز فرمایا۔اور فیصلہ فرمایا کہ کالج تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عمارت میں کھولا جائے اور فی الحال نویں اور دسویں کلاسوں کے ساتھ ایف اے کی کلاسیں جاری کی جائیں۔مڈل کے لئے الگ عمارت تعمیر کی جائے۔کالج کے لئے کچھ عملہ سکول سے اور کچھ باہر سے لیا جائے۔

کالج کا پہلا سٹاف

کالج کمیٹی کی تجویز پر حضورؓ نے مرزا ناصر احمد صاحب کا تقرر پرنسپل کے طور پر منظور فرمایا۔اس وقت آپ جامعہ احمدیہ کے پرنسپل کے طور پر خدمات سرانجام دے رہے تھے۔کالج میں آپکے سپرد اقتصادیات کی تدریس بھی تھی۔آپ کے علاوہ درجِ ذیل اساتذہ کا باقاعدہ تقرر عمل میں آیا:

اخوند محمد عبدالقادر صاحب ایم اے۔بی ٹی لیکچرار انگریزی۔
قاضی محمد نذیر صاحب منشی فاضل مولوی فاضل ایف اے۔او ٹی لیکچرار فارسی و دینیات۔
صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے لیکچرار عربی۔
رانا عبدالرحمٰن صاحب ناصر لیکچرار ریاضی۔
عباس بن عبدالقادر صاحب لیکچرار تاریخ۔
عبدالعزیز چکوالوی ایم اے لیکچرار فلاسفی (ملازمت کے دوران فوت ہو گئے)۔
چوہدری محمد علی صاحب ایم اے لیکچرار فلاسفی۔
چوہدری عبدالاحد لیکچرار کیمسٹری۔
عطاء الرحمٰن غنی لیکچرار فزکس۔
یحیٰ بن عیسیٰ ایم ایس سی لیکچرار کیمسٹری ۔
میاں عطاء الرحمٰن ایم ایس سی بی ٹی لیکچرار فزکس۔
چوہدری محمد صفدر چوہان لیکچرار حساب۔
شیخ محبوب عالم خالد ایم اے، بی ٹی لیکچرار اردو۔
ملک فیض الرحمٰن فیضی ایم اے لیکچرار اکنامکس۔
حبیب اللہ خان ایم ایس سی لیکچرار کیمسٹری۔
سید سلطان محمود شاہد ایم ایس سی لیکچرار کیمسٹری۔
نصیر احمد خان ایم ایس سی لیکچرار فزکس۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعد میں کئی فاضل اساتذہ تعلیم الاسلام کالج سے فارغ ہو کر زندگی وقف کر کے اپنی مادرِ علمی میں ساری عمر تدریس سے منسلک رہے (فہرست کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ (Al-Nahal U.S.A. Vol. 17, No.1, 2006)۔اسطرح حضرت مسیحِ موعودؑ اور صحابہ کرامؓ کی دعائیں خدا کے فضل سے پوری ہوئیں۔ الحمدُ للہ۔اب نہ صرف کالج کی عظیم الشان عمارت دستیاب تھی بلکہ محنتی اساتذہ کی ایک ٹیم خدمت کے جذبے سے سرشار تیار تھی۔اللہ تعالیٰ نے ''تعلیم الاسلام تدریسی نظام'' کے تحت نہ صرف طلباء کے ذہنوں کو جلاء بخشی بلکہ اساتذہ کی راہنمائی فرمائی اور کالج کچھ ہی عرصے میں ملک کی بہترین درس گاہوں میں شمار ہونے لگا۔
غیر نصابی سرگرمیوں میں باقاعدہ کھیلوں کا انتظام تھا۔پروفیسر اخوند عبدالقادر صاحب مرحوم کی نگرانی میں کالج یونین متحرک تھی۔اسی طرح مختلف مضامین کی سوسائیٹیوں کے علاوہ مذہب اور سائنس اور ریسرچ سوسائیٹیاں کام کر رہی تھیں۔1945 میں بی۔اے، بی۔ایس سی کی کلاسوں کا اجراء ہوا۔پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کو پنجاب یونیورسٹی اکیڈیمک کونسل کا ممبر چنا گیا۔الغرض کالج ہر لحاظ سے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا چلا گیا۔

فضل عمر ہوسٹل کا اجراء

کالج کے نمایاں شاندار نتائج اور اساتذہ کے ہمدردانہ اور متوازن رویے کے باعث کالج چند سالوں میں ہی علاقے بھر میں مشہور و معروف ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم طلباء بھی بکثرت کالج میں داخل ہوئے۔ پہلے مہمان خانے کا ایک حصہ ہوسٹل کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ پھر فضل عمر ہوسٹل کی عمارت مکمل ہونے تک دارالانوار گیسٹ ہاؤس چوہدری محمد علی صاحب کی نگرانی میں ہوسٹل کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ 1944 میں فضلِ عمر ہوسٹل کی عمارت مکمل ہوئی۔ ہوسٹل کے طلباء باجماعت نمازوں کی ادائیگی اور درسوں میں التزام کے ساتھ حاضر ہوتے۔ فضل عمر ہوسٹل یونین کے تحت تقریری مقابلہ جات میں حصہ لیتے۔

موسمِ گرما 1947 کی تعطیلات اور پاکستان کے لئے مہاجرت

موسمِ گرما کی تعطیلات کے سلسلے میں کالج یکم جولائی 1947 سے 27 ستمبر تک بند رہنے کا اعلان ہو چکا تھا۔ اس دوران ملک کے بٹوارے کے اعلان کے ساتھ 14 اگست کے دن پاکستان قائم ہوا۔ کئی جانکاہ سانحوں کو سمیٹے ہوئے دونوں نوزائیدہ ملکوں کے درمیان آبادی کا تبادلہ ہوا۔ قادیان کا ضلع گورداسپور ہندوستان کے حصے میں آیا۔ کالج کے پرنسپل اور کچھ اساتذہ اور طلباء کالج کے اموال و املاک کی حفاظت اور آبادی کے انخلاء کی نگرانی کے سلسلے میں قادیان میں کچھ عرصہ ٹھہرے رہے۔

تعلیم الاسلام کالج کے پہلے شہید طالب علم

جہاں خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے تعلیم الاسلام کالج کو بہترین انتظامیہ، اساتذہ اور طلباء سے نوازا وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی کو دین پر نچھاور کرنے والے بھی عطا فرمائے۔ جواں سال محمد منیر خان شامی ولد ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب ابو حنیفی جو تعلیم الاسلام کالج کے بی ایس سی کے طالبِ علم اور واقفِ زندگی تھے۔ ہدایت کے مطابق اپنے محلّہ میں حفاظتی ڈیوٹی پر متعین تھے۔ سکھ حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ آخر کار حملہ آوروں نے رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پیچھے سے حملہ کیا، جانبر نہ ہو سکے اور تعلیم الاسلام کالج کے پہلے شہید کا درجہ پا گئے۔ الحمدُ للہ

کالج کا لاہور میں قیام

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کالج کے فوری اجراء کے بارے میں فکر مند تھے۔ آپ نے چوہدری محمد علی صاحب کو کالج کا قائم مقام پرنسپل مقرر فرمایا۔ اور کالج کمیٹی حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی سرکردگی میں مقرر فرمائی جس کے ممبران ڈاکٹر عبدالواحد صاحب، فضل الرحمٰن صاحب فیضی اور چوہدری محمد علی صاحب تھے اور انہیں فنڈ اکٹھے کرنے اور جلد سے جلد کالج کے لئے مناسب جگہ کا انتخاب کرنے کا ارشاد فرمایا۔ حضورؓ نے مرزا ناصر احمد صاحب، صوفی بشارت الرحمٰن صاحب اور میاں عطاء الرحمٰن صاحب کو فوری طور پر قادیان سے لاہور پہنچنے کا ارشاد فرمایا۔

کالج کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق جماعت کے کمزور مالی حالات کے پیشِ نظر فنڈز کی اپیل کرنا جماعت کو مزید مشکلات میں ڈالنا تھا۔ چونکہ سرِ دست کوئی مناسب عمارت بھی دستیاب نہیں تھی اس لئے کمیٹی نے کالج نہ کھولنے کی سفارش کی۔ اور مشورہ دیا کہ طلباء کو لاہور کے کسی ایک کالج میں داخلہ لینے کی ہدایت کی جائے جس سے انکی نگرانی کی جاسکے گی۔

کمیٹی کی اس درخواست پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بڑے جوش سے فرمایا:

'' آپ کو پیسوں کی کیوں فکر پڑی ہوئی ہے۔ کالج چلے گا اور کبھی بند نہیں ہوگا''۔

ساتھ ہی چوہدری محمد علی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:

'' آسمان کے نیچے پاکستان کی سرزمین میں جہاں کہیں بھی جگہ ملتی ہے، لے لو اور کالج شروع کرو۔''

اس ارشاد کے تحت کالج کمیٹی کے نمائندگان نے لاہور کے علاوہ ایمن آباد، گوجرانوالہ، کوٹ سہرا، راولپنڈی، لائلپور، سانگلا ہل، ملتان اور ڈیرہ غازی خان کا دورہ کیا، مختلف عمارات دیکھیں مگر کسی نہ کسی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ اس دوران جودھامل بلڈنگ لاہور کے پاس سیمنٹ بلڈنگ میں کالج آفس عبدالرحمٰن جنید ہاشمی صاحب کی سربراہی میں قائم کر دیا گیا۔ جہاں ہاشمی صاحب مرحوم اور انکے دوساتھیوں نے فرنیچر مہیا نہ ہونے کے باعث فرش پر بیٹھ کر طلباء کا داخلہ کرنا شروع کر دیا۔ 60 طلباء کا داخلہ ہوا جن میں اکثریت قادیان سے آنے والے طلباء کی تھی۔

اس دوران محکمہ بحالیات پنجاب نے ایک خستہ حال عمارت 37۔ کینال پارک لاہور، کالج کے لئے الاٹ کر دی۔ یہ عمارت اپنی بیرک نما تنگ کمروں اور نیچی چھتوں کے باعث اغلباً ڈیری فارم یا مرغی خانے کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہوگی۔ 60 طلباء کے لئے اس بے سروسامانی کے دور میں مناسب فرنیچر مہیا کرنا مشکل تھا۔ طلباء چٹائیوں پر دورویہ بیٹھ کر لیکچر سنتے۔ وہیں نماز پڑھتے، کھانا کھاتے اور سوجاتے۔ گویا کہ بیرک نما عمارت طلباء کے لئے بیک وقت کالج، مسجد اور ہوسٹل تھی۔

آخر کار محکمے نے ڈی اے وی کالج کی تباہ حال عمارت کالج کے لئے الاٹ کر دی۔ اس سے قبل یہ عمارت مہاجرین کی فرودگاہ کے طور پر استعمال ہو رہی تھی۔ عمارت کی کھڑکیاں، دروازے آگ جلانے میں استعمال کر لئے گئے تھے۔ شیشے ٹوٹے ہوئے تھے۔ لائبریری کی کتب یا تو لوٹ لی گئی تھیں یا جلا دی گئی تھیں۔ کلاس رومز کی طرز پر بنے ہوئے کمروں کے وسط میں ٹوٹے ہوئے شیشوں، مٹی اور پتھروں کے ڈھیر تھے۔ کالج انتظامیہ نے صفائی، وقارِ عمل اور کثیر رقم کے خرچ سے کمروں کو استعمال کے قابل بنایا۔ ہزاروں روپے خرچ کر کے لائبریری میں کتب فراہم کی گئیں۔ فرنیچر اور لیبارٹری کے سامان کی خرید ہوئی۔ کالج کا ایک حصہ ہوسٹل کے لئے تیار کیا گیا۔

کالج کے نمایاں شاندار نتائج

باوجود ان تمام عملی مشکلات کے چند ماہ میں ہی کالج میں طلباء کی تعداد 60 سے 267 تک پہنچ گئی۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ پرنسپل کی سرکردگی میں یونیورسٹی کے امتحانات میں کالج کے نتائج ہر سال قابلِ رشک رہے، یونیورسٹی کے 39.8% کے مقابل کالج کا نتیجہ 83.3 % رہا۔ اس طرح تعلیم الاسلام کالج کچھ ہی عرصے میں لاہور کے چند اچھے کالجوں کے مقابلہ پر آ گیا۔

کالج اپنی غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی شاندار رہا۔ کالج یونین کے علاوہ عربک، اکنامکس، سائنس، فوٹوگرافک اور ریڈیو سوسائٹیاں مصروفِ عمل تھیں۔ جبکہ کھیل کے میدان میں فٹ بال، والی بال، تیراکی کی ٹیمیں کالج کی نیک نامی کا باعث تھیں۔ انتظامیہ کی کارکردگی کی خوش اسلوبی کے باعث کچھ ہی عرصے میں کالج نہ صرف لاہور بھر میں بلکہ اردگرد کے علاقوں میں مشہور ہوگیا۔ اکنامکس سوسائٹی کے زیرِ انتظام مجلّے '' ینگ اکنامسٹ'' کا اجراء ہوا۔ جو 1950 میں '' المنار'' کے نام سے کالج کے مستقل جریدے کے طور پر چھپنا شروع کیا۔ محترم پرنسپل مرزا ناصر احمد صاحب نے '' المنار'' کے اجراء پر اپنے ولولہ انگیز پیغام میں فرمایا:

" With trust in God and Faith in the ultimate triumph of your Mission March on!"

یعنی ''خدا تعالیٰ پر یقینِ محکم اور ایمانِ کامل کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول اور آخری فتح کیلئے بڑھے چلو!''۔

فروری 1950 میں کالج کی پہلی All Pakistan Intercollegiate Debates منعقد ہوئیں۔ اور کالج کے Debaters نے اپنا لوہا خوب منوایا۔ اور دوسرے مقامی کالجوں کے مقابلوں میں حصہ لے کر انعامات حاصل کئے۔

تعلیم الاسلام کالج کا پہلا جلسہ تقسیمِ اسناد

2 اپریل 1950 کے دن کالج کی پہلی کانووکیشن حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زیرِ صدارت کالج حال میں منعقد ہوئی آپ نے فارغ ہونے والے طلباء کو درج ذیل زرّیں نصائح سے نوازا:

☆۔ ''یہ نہ سمجھو کہ اب تعلیم مکمل ہوگئی ہے، بلکہ اپنے علم کو باقاعدہ مطالعہ سے بڑھاتے رہو۔ خدا تعالیٰ کے قانون کے مطابق سکون حاصل کرنے کی بالکل کوشش نہ کرو، بلکہ ایک نہ ختم ہونے والی جدّ وجہد کے لئے تیار ہو جاؤ اور قرآنی منشاء کے مطابق اپنا قدم آگے بڑھانے کی کوشش کرتے رہو۔

☆۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہو کہ وہ آپکو صحیح کام کرنے، اور صحیح وقت پر کام کرنے اور صحیح ذرائع کو استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر اس کام کے صحیح اور اعلیٰ سے اعلیٰ نتائج پیدا کرے۔

☆۔ یاد رکھو کہ تم پر صرف تمہارے نفس ہی کی ذمہ داری نہیں۔ تم پر اس ادارے کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہیں تعلیم دی ہے۔ اور اُس خاندان کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہاری تعلیم پر خرچ کیا۔ خواہ بالواسطہ یا بلاواسطہ، اور اس ملک کی بھی ذمہ داری ہے کہ جس نے تمہاری تعلیم کا انتظام کیا۔ اور پھر تمہارے مذہب کی بھی ذمہ داری ہے۔

☆۔ تمہارے تعلیمی ادارے کی جو تم پر ذمہ داری ہے وہ چاہتی ہے کہ تم اپنے علم کو زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھے طور پر استعمال کرو۔ یونیورسٹی کی تعلیم مقصود نہیں ہے وہ منزلِ مقصود کو طے کرنے کیلئے پہلا قدم ہے۔ یونیورسٹی تم کو جو ڈگریاں دیتی ہے وہ اپنی ذات میں کوئی قیمت نہیں رکھتیں بلکہ ان ڈگریوں کو تم اپنے آئندہ عمل سے قیمت بخشتے ہو۔

☆۔ ڈگری صرف تعلیم کا ایک تخمینی وزن ہے۔ ایک تخمینی وزن ٹھیک بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی ہوسکتا ہے۔ محض کسی یونیورسٹی کے فرض کر لینے سے کہ تم کو علم کا ایک تخمینی وزن حاصل ہو گیا ہے تم کو علم کا وہ فرضی درجہ نصیب نہیں ہوسکتا جس کے اظہار کی یونیورسٹی ڈگری کے ساتھ کوشش ہوتی ہے۔ اگر ایک یونیورسٹی سے نکلنے والے طالب علم اپنی آئندہ زندگی میں یہ ثابت کریں کہ جو تخمینی وزن ان کے تعلیم کا یونیورسٹی نے لگایا تھا ان کے پاس اس سے بھی زیادہ وزن کا علم موجود ہے تو دنیا میں اس یونیورسٹی کی عزت اور قدر قائم ہو جائے گی۔ لیکن ڈگریاں حاصل کرنے والے طالب علم اپنی بعد کی زندگی میں یہ ثابت کر دیں کہ تعلیم کا جو تخمینی وزن ان کے دماغوں میں فرض کیا گیا تھا' ان میں اس سے بہت کم درجے کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ تو یقیناً لوگ نتیجہ نکالیں گے کہ یونیورسٹی نے علم کی پیمائش کرنے میں غلطی سے کام لیا ہے۔

☆۔ تمہیں یاد رکھنا چاہیئے کی یونیورسٹیاں اتنا طالب علم کو نہیں بناتیں جتنا کہ طالب علم یونیورسٹیوں کو بناتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لو کہ ڈگری سے طالب علم کی عزت نہیں ہوتی ہے۔ پس تمہیں اپنے پیمانہء علم کو درست رکھنے بلکہ اس کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے اور اپنے کالج کے زمانہ کی تعلیم کو اپنی عمر کا پھل نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ اپنے علم کو کھیتی کا بیج تصور کرنا چاہیئے اور تمام ذرائع سے کام لے کر اس بیج کو زیادہ سے زیادہ بار آور کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے تاکہ اس کوشش کے نتیجے میں اُن ڈگریوں کی عزت بڑھے جو تم آج حاصل کر رہے ہو۔۔۔ اور تمہاری قوم تم پر فخر کرنے کے قابل ہو۔

☆۔ تم ایک نئے ملک کے شہری ہو۔دُنیا کی بڑی مملکتوں میں سے بظاہر ایک چھوٹی سی مملکت کے شہری ہو۔تمہارا ملک مالدار ملک نہیں ہے،ایک غریب ملک ہے۔دیر تک ایک غیر حکومت کی حفاظت میں امن اور سکون سے رہنے کے عادی ہو چکے ہو۔سو تمہیں اخلاق اور کردار بدلنے ہوں گے۔تمہیں اپنے ملک کی عزت اور ساکھ دنیا میں قائم کرنی ہوگی۔

☆۔ تمہیں اپنے ملک کو دُنیا میں روشناس کرانا ہوگا،ملکوں کی عزت کو قائم رکھنا بھی ایک بڑا دشوار کام ہے۔لیکن ان کی عزت کو بنانا اس سے بھی دشوار کام ہے اور یہی دشوار کام تمہارے ذمے ڈالا گیا ہے۔

☆۔ تم ایک نئے ملک کی نئی پود ہو۔تمہاری ذمہ داریاں پُرانے ملکوں کی نئی نسلوں سے بہت زیادہ ہیں۔انہیں ایک بنی ہوئی چیز ملتی ہے۔انہیں آباؤاجداد کی سنتیں یا روایتیں وراثت میں ملتی ہیں۔مگر تمہارا یہ حال نہیں ہے۔تم نے ملک بھی بنانا ہے اور تم نے نئی روایتیں بھی قائم کرنی ہیں۔ایسی روایتیں جن پر عزّت اور کامیابی کے ساتھ آنے والی بہت سی نسلیں کام کرتی چلی جائیں اور ان روایتوں کی راہنمائی میں اپنے مستقبل کو شاندار بناتی چلی جائیں۔

☆۔ دوسرے ملکوں کے لوگ ایک اولاد ہیں مگر تم اسکے مقابلے پر ایک باپ کی حیثیت رکھتے ہو،وہ اپنے کاموں میں اپنے باپ دادوں کو دیکھتے ہیں۔تم نے اپنے کاموں میں آئندہ نسلوں کو مدّ نظر رکھنا ہے۔

☆۔ بے شک یہ کام مشکل ہے لیکن اتنا شاندار بھی ہے۔اگر تم اپنے نفسوں کو قربان کر کے پاکستان کی عمارت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دو گے تو تمہارا نام اس محبت اور عزت سے لیا جائے گا جس کی مثال آئندہ آنے والوں میں نہیں پائی جائے گی۔

☆۔ پس میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی نئی منزل پر عزم،استقلال اور علوّ حوصلہ سے قدم مارو۔قدم مارتے چلے جاؤ اور اس بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے جاؤ کہ عالی ہمت نوجوانوں کی منزلِ اوّل بھی ہوتی ہے اور منزلِ دوم بھی ہوتی ہے،منزلِ سوم بھی ہوتی ہے لیکن آخری منزل کوئی نہیں ہوا کرتی۔۔۔اُن کی منزل کا پہلا دور اسی وقت ختم ہوتا ہے جبکہ وہ کامیاب اور کامران ہوکر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی خدمت کی داد اس سے حاصل کرتے ہیں،جو ایک ہی ہستی ہے جو کسی کی خدمت کی صحیح داد دے سکتی ہے۔

☆۔ پس اے خدائے واحد کے منتخب کردہ نوجوانو! اسلام کے بہادر سپاہیو! ملک کی اُمید کے مرکزو! قوم کے سپوتو! آگے بڑھو کہ تمہارا خدا،تمہارا دین،تمہارا ملک اور تمہاری قوم محبت اور امید کے مخلوط جذبات سے تمہارے مستقبل کو دیکھ رہی ہیں۔''

(الفضل 5 اپریل 1950)

حاسدین کی کارروائیاں

جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اساتذہ کی محنت کے باعث کالج روز افزوں ترقی کر رہا تھا اور اکثر اہالیانِ لاہور جماعت کے شکر گزار تھے کہ جماعت نے ان کے بچوں کے لئے ایک مثالی ادارہ مہیا کیا ہے وہاں جماعت کے معاندین حسد کی آگ میں جلے جا رہے تھے۔ہر وقت ٹوہ میں لگے رہتے کہ کوئی بہانہ ہاتھ لگے اور کالج انتظامیہ اور طلباء کی پریشانی کے لئے کوئی نہ کوئی مسئلہ پیدا کرتے رہیں۔پہلے تو کوشش رہی کہ ڈی اے وی کالج کی عمارت کی الاٹمنٹ کو کینسل کرائیں۔پھر بسوں کے ذریعے آنے جانے والے طلباء کو رستوں میں تنگ کرتے۔جبکہ احمدی خدا تعالیٰ کی تواتر سے ظاہر ہونے والی تائیدات اور انعامات پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے۔کالج کے لئے سماجی،سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے حالات دن بدن دگرگوں کئے جا رہے تھے۔درپردہ انتظامیہ تخریب کاروں کے ہاتھوں میں کھیل رہی تھی۔

1953 کا پُر آشوب زمانہ اور کالج کے حالات

1953 کا سال پاکستان کی تاریخ کے سیاہ ترین سالوں میں شمار ہوتا ہے۔اس سال سیاسی جماعتوں کی باہمی کشمکش کو سیاسی شاطروں نے مذہبی رنگ دیکر جماعت احمدیہ کے خلاف موڑ دیا تھا۔ جماعت کے خلاف اشتعال انگیزی کرنے کے علاوہ مولویوں نے اپنے پروردوں کو توڑ پھوڑ کے علاوہ احمدی املاک کو شدید نقصان پہنچانے پر اکسایا۔سراسر ظلم کرتے ہوئے ظالموں نے محترم مستری نذر محمد صاحب محلّہ پڑنگاں، بھاٹی گیٹ کے جواں سال خوش مزاج بیٹے جمال احمد (جو تعلیم الاسلام کالج کے ایف ایس سی کے طالب علم تھے) کو بڑی بے دردی سے چھریاں مار مار کر شہید کر دیا۔(شہید جمال احمد اللہ تعالیٰ کی مشیت سے تعلیم الاسلام کالج کے دوسرے شہید کا مرتبہ پا کر امر ہو گئے)۔ پولیس یہ تمام شیطانی کارروائیاں موقعے پر موجود ہوتے ہوئے بھی کھڑی دیکھتی رہتی۔جب حالات حد سے باہر ہو گئے تو جنرل محمد اعظم خان (جو اس وقت لاہور کی جی او سی تھے) نے لاہور اور اس کے ارد گرد کے علاقے میں مارشل لاء کا اعلان کر دیا۔حکومت نے مولویوں کو خوش کرنے کے لئے حضرت مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کو چھوٹے سے بہانے کی بناء پر کچھ عرصے کے لئے حراست میں لے لیا گیا۔

الغرض ان حالات میں جماعت کے لئے لاہور میں کالج چلانا مشکل ہو گیا تھا۔ان تمام خطرات کو پہلے سے بھانپتے ہوئے جماعت لاہور سے باہر مستقل مرکز قائم کرنے کے لئے قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی جگہ کے انتخاب کیلئے سرگرداں تھی۔خلیفۂ وقت اور جماعت خدا تعالیٰ کے حضور دعاؤں میں لگے ہوئے تھے۔

ربوہ میں مرکز کا قیام اور کالج کا افتتاح

خدا تعالیٰ کی خاص تائیدات سے 1948 میں دریائے چناب کے دائیں کنارے پر واقع ایک وسیع قطعہ اراضی جماعت کے مستقل مرکز کے قیام کے لئے خرید لیا گیا۔حضورؓ نے 1953 میں کالج اور ہوسٹل کی عمارات کا سنگِ بنیاد رکھا اور عمارات کی ہنگامی طور پر تعمیر شروع ہو گئی۔حضرت مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کی شب و روز نگرانی میں 1954 تک تعمیرات مکمل ہو گئیں۔کالج لاہور سے اپنی نئی شاندار عمارت میں منتقل ہو گیا اور 6/دسمبر 1954 کے تاریخی دن حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تعلیم الاسلام ربوہ کا افتتاح فرمایا۔حضور نے اپنے خطاب میں کالج میں داخلہ لینے والے طلباء کی آگاہی کے لئے کالج انتظامیہ کی پالیسی کی وضاحت فرمائی جس کے چیدہ چیدہ نقاط درج ذیل ہیں:

☆۔ ''تمہیں جو تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ دیا گیا ہے تو اس مقصد کے ماتحت کہ تم دین کے ساتھ دنیوی علوم بھی سیکھو۔

☆۔ اگر تم اس نیت سے نہیں آئے کہ اسلام کی تعلیم سیکھو، میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اب یہ نیت کر لو کہ تم نے اسلام کی تعلیم سیکھنی ہے۔اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ تم اسلام کی تعلیم سیکھو تو میرا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تم احمدیت کی تعلیم سیکھو۔ہمارے نزدیک تو اسلام اور احمدیت میں کوئی فرق نہیں۔احمدیت حقیقی اسلام کا نام ہے۔لیکن اگر تمہیں ان دونوں میں کچھ فرق نظر آتا ہے تو تم وہی سیکھو جسے تم اسلام سمجھتے ہو۔اگر انسان کرتا کچھ اور کہتا کچھ اور ہے، تو وہ غلطی کرتا ہے۔

☆۔ تم کسی بھی فرقے سے تعلق رکھو ہمیں اعتراض نہیں۔لیکن سوال یہ ہے جو کچھ تم مانتے ہو اس پر عمل کرو۔کیونکہ نیکی کا پہلا قدم یہی ہے کہ انسان اپنے مذہب پر عمل کرے۔

☆۔ اپنے عقائد کے مطابق عمل کرو۔اگر کوئی پروفیسر تمہیں کسی احمدی امام کے پیچھے نماز کے لئے مجبور کرتا ہے تو تم اسکا مقابلہ کرو اور میرے پاس بھی شکایت کرو۔میں اسکے خلاف ایکشن لوں گا۔لیکن اگر وہ تمہیں کہتا ہے کہ تم نماز پڑھو تو یہ تمہارے moral code کے خلاف نہیں اور اسکا نماز پڑھنے کی تلقین کرنا religious interference نہیں۔

☆۔مذہب میں دخل اندازی کا کسی کو حق نہیں ۔قرآن کہتا ہے کہ مذہب میں مداخلت کرنا انسان کو منافق بناتا ہے مسلمان نہیں بناتا۔
☆۔اس کالج میں اگر کوئی ہندو بھی داخل ہونا چاہے تو ہمارے کالج کے دروازے اس کیلئے کھلے ہیں ۔لیکن وہ بھی اس بات کا پابند ہوگا کہ اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرے۔
☆۔یہ کالج تعلیم الاحمد یہ کالج نہیں، تعلیم الاسلام کالج ہے، اور اسلام ایک وسیع لفظ ہے۔کوئی code of morality جسکو علماء اسلام نے کسی وقت تسلیم کیا ہو یا اب تسلیم کرلیں وہ اسلام میں شامل ہے۔
☆۔یہ تعلیم الاسلام کالج ہے۔اس کے معنے یہ ہیں کہ یہ کالج تمہیں عملی مسلمان بنادے گا اور یہی اس کالج کو قائم کرنے کی غرض ہے۔‘‘

(الفضل 6/ دسمبر1955)

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا سٹاف

1944 میں کالج کے قیام سے پہلے حضرت مصلح موعودؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ کالج کے لیکچرار طلباء کو وقف کی تحریک کریں تا کہ مستقبل میں تعلیم الاسلام کے تربیت یافتہ فارغ التحصیل طلباء ایم اے، ایم ایس سی کرنے کے بعد کالج میں احسن طور پر طلباء کی تعلیم وتربیت کے فرائض ادا کرسکیں۔ چنانچہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا سٹاف، سوائے چند کے، کالج سے فارغ التحصیل طلباء پر مشتمل تھا۔(فہرست کے لئے ملاحظہ ہو’’النحل‘‘ شمارہ1، جلد17 ۔2006)۔کالج کے کئی اساتذہ نے اپنے مضامین میں Ph.D. کیا جن میں: ڈاکٹر سید سلطان محمود صاحب شاہد (کیمسٹری)، ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب (فزکس)، ڈاکٹر ناصر احمد صاحب پرویز پروازی (اردو)، اور ڈاکٹر محمد شریف خان (زوآلوجی)۔کالج کے بعض اساتذہ خاص طور پر پروفیسر میاں عطاء الرحمٰن فزکس جیسے دقیق مضمون کو اپنے مخصوص پڑھانے کے اسلوب کے باعث اردگرد کے کالجوں میں مشہور تھے۔ جہاں سے طلباء آ کر ان کی کلاسیں attend کرتے اور فائدہ اُٹھاتے تھے۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے کالج میں ایف اے، ایف ایس سی اور بی اے کی کلاسیں 1954 سے ہی شروع تھیں۔1962 میں بی ایس سی فزکس، باٹنی اور زوآلوجی کی کلاسوں کا آغاز ہوا۔تجربات کے لئے فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی کی لیبارٹریاں جدید ترین سامان سے آراستہ اور ان میں ہر قسم کی سہولتیں میسر تھیں۔کالج کا بیالوجی میوزیم بے شمار محفوظ شدہ جانوروں اور پودوں کے باعث اپنے اردگرد کے تمام کالج کے museums میں منفرد تھا۔ کالج کا وسیع حال اور گیلری مضبوط جدید ڈیزائن پر تعمیر کی گئی تھی ۔اس کے علاوہ عام اجلاسات کے لئے chemistry theater کا وسیع حال میسر تھا۔کیمسٹری لیبارٹری کیلئے گیس پلانٹ مہیا تھا۔ہر شعبہ میں لیکچر روم، لیکچر تھیئٹر، سٹور اور لیبارٹری مہیا تھی جن میں بورڈ اور یونیورسٹی کے سلیبس کے مطابق تجربات کے لئے سامان وافر مقدار میں موجود تھا۔

کالج کیمپس میں زیرزمین پانی تقریباً مفقود تھا۔اگر کہیں تھا تو اتنا نمکین کہ استعمال کے قابل نہیں تھا چہ جائیکہ سائنسی تجربات یا انسانی استعمال کے قابل ہوتا۔کالج کیمپس سے تقریباً دو تین سو میٹر دور میٹھے پانی کے کنویں سے زیرزمین پائپ میں پانی force pump کے ذریعے overhead tanks میں ڈالا جاتا تھا۔جس کی بدولت کالج کیمپس میں تھوڑی بہت ہریاول نظر آتی تھی۔کالج انتظامیہ کی شجرکاری کی تمام کوششوں کے باوجود صرف پانی کے نلوں کے پاس سفیدے کے درخت نظر آتے تھے۔کلر شدہ زمین، پانی کی قلت اور موسمِ گرما کی شدت کے آگے کچھ پیش نہ جاتی۔

لائبریری

کالج لائبریری اردو اور انگریزی کی مشہور ادبی اور سائنسی کتب سے بھری پڑی تھی۔مشہور اردو اور انگریزی مجلّے اور روزنامہ اخبارات باقاعدگی سے مہیا تھے۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی قیمتی کتب کا ذخیرہ لائبریری کا اہم حصہ تھا۔اسی طرح تمام جماعتی کتب اور رسائل مہیا تھے۔

پوسٹ گریجوایٹ کلاسز

ایم اے عربی کی کلاسز 1962 کے تعلیمی سال سے شروع ہوئیں۔ اور اپنے بہترین نتائج کی باعث پنجاب بھر میں مشہور تھیں۔ 1968 میں ایم ایس سی فزکس کی کلاسوں کا آغاز ہؤا۔

کالج کیمپس کی دوسری عمارات

پرنسپل ہاؤس، سپرنٹنڈنٹ ہاؤس، گیسٹ ہاؤس، ٹک شاپ، ہوسٹل کی عمارات کے علاوہ ہوسٹل کارکنان کے کوارٹرز شامل تھے۔

فضل عمر ہوسٹل

کالج کے افتتاح کے دن جب حضورؓ فضلِ عمر ہوسٹل کے معائنے کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے ہوسٹل کی visitor book میں درجِ ذیل عبارت اپنے قلم سے رقم فرمائی:۔

" اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بے سروسامانی میں کالج کے سامانوں کو مہیا کیا اور بے گھروں کو گھر دیا۔ اب دعا ہے کہ جس طرح اس دنیا کا علم دیا اگلے جہان کا علم بھی دے۔ اور جس طرح اس جہان کا گھر دیا اگلے جہان کا اچھا گھر بھی بخشے اور اس کالج میں پڑھنے والے سب طلبہ کو اپنی رضا پر چلنے، اپنا فرض ادا کرنے اور ایثار و قربانی کا اعلیٰ نمونہ دکھانے کی توفیق بخشے "۔

(سالانہ رپورٹ تعلیم الاسلام کالج 54-1955)

فضلِ عمر ہوسٹل کی وسیع وعریض عمارت چار wings پر مشتمل تھی۔ مسجد، میس حال، باورچی خانہ، کامن روم، ڈسپنسری، دفتر اور سپرنٹنڈنٹ آفس کے علاوہ ڈیڑھ سو سے زائد ڈارمیٹریاں جن میں چھ سے آٹھ لڑکوں کے ٹھہرنے کی گنجائش تھی اور پندرہ کیوبیکلز تھے۔ کامن روم میں مختلف انڈور کھیلیں اور روزانہ دو تین اردو انگریزی اخبار مہیا تھے۔ کامن روم نمازِ عصر کے بعد کھلتا اور مغرب کی نماز سے پہلے بند ہو جاتا۔ کامن روم کی سالانہ کھیلیں اور ہوسٹل کا سالانہ function یادگاری سالانہ event تھے، جن کا انتظار اور انتظامات عرصہ پہلے شروع ہو جاتے۔ اور طلباء بھر پور حصہ لیتے۔ ان پروگراموں کی جان مزاحیہ خاکوں کا تذکرہ سارا سال ہوتا رہتا۔

نیو کیمپس

اب اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے نازل ہونے کا وہ سنہری دور آ گیا جس کے دوران حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کا قائم کیا ''مدرسہ تعلیم الاسلام'' آہستہ آہستہ یونیورسٹی کی شکل دھار رہا تھا (جیسے حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ نے کالج کے افتتاح 28 رمئی 1903 کو اپنی تقریر میں امید ظاہر کی تھی) عرصے سے ایم ایس سی فزکس کی کلاسیں شروع کرنے کی تجویز کالج انتظامیہ کے زیرِ غور تھی۔ اسی دوران سن 61-1962 میں محکمانہ طور پر ڈگری اور انٹر کلاسوں کو الگ کرنے کی تجویز ہوئی۔ تعلیم الاسلام کالج کی عمارت پہلے ہی انٹر اور ڈگری کلاسوں کے لئے چھوٹی پڑ رہی تھی۔ چہ جائیکہ پوسٹ گریجویٹ کلاسوں کی متحمل ہوسکتیں۔ کالج سے مغرب کی طرف تقریباً ایک میل دور دریا کے قریب زمین کا ایک وسیع قطعہ پر پوسٹ گریجوایٹ کیمپس کی تعمیر شروع ہوئی۔ فزکس wing کی تیاری کے ساتھ ہی عمارت میں ایم۔ ایس سی کی کلاسوں کا آغاز ہوگیا۔ کیمسٹری، باٹنی اور زوآلوجی کے wings کی تعمیر شروع ہؤا ہی چاہتی تھی کہ قومیائے جانے کے عفریت نے پاکستان کے تعلیمی نظام پر پنجے گاڑ لئے۔ اور سب تعلیمی ترقی کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ بُرا ہو غلط سوچ اور تعصب کا، اب کالج کے نئے کیمپس کی عظیم عمارت عدم توجہی کے باعث آہستہ آہستہ منہدم ہو رہی ہے۔

کالج کی بعض یادگار غیر نصابی سرگرمیاں

تابناک تعلیمی ریکارڈ کے ساتھ ساتھ تعلیم الاسلام کالج سے وابستہ بعض روایات کالج کی پہچان کے طور پر کالج کے ہر گزشتہ طالبعلم کی زندگی کی حسین ترین یادوں کا حصہ ہیں۔

قرآن کریم کی تعلیم: کالج کے نصاب میں قرآنِ کریم کا ترجمہ اور مختصر تفسیر شامل تھی۔ جس کی تدریس ممتاز علماء کے سپرد رہی جو طلباء کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کا جواب دیتے۔

سالانہ بین الکلیاتی مباحثات: تعلیم الاسلام کالج کا تعلق ایک علم دوست جماعت کے ساتھ تھا، جس کے بانی حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا:

"میں ان مسلمانوں کو غلطی پر جانتا ہوں جو علومِ جدیدہ کے مخالف ہیں۔ وہ دراصل اپنی غلطی اور کمزوری کو چھپانے کیلئے ایسا کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ علومِ جدیدہ کی تحقیقات اسلام سے بدظن کر دیتی ہے اور وہ یہ قرار دیئے بیٹھے ہیں کہ گویا عقل اور سائنس اسلام سے بالکل متزاد چیزیں ہیں کیونکہ خود فلسفہ کی کمزوریوں کو ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لئے یہ بات تراشتے ہیں کہ علومِ جدیدہ کا پڑھنا ہی جائز نہیں۔ انکی روح فلسفہ سے کانپتی ہے اور نئی تحقیقات کے سامنے سجدہ کرتی ہے''۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 43)

چنانچہ حضورؑ کے اس ارشاد کی روشنی میں کالج کا سارا ماحول اپنے اندر ایک خاص علمی رنگ رکھتا تھا۔ ہر سال تین روزہ بین الکلیاتی مباحثات کا اہتمام ہوتا۔ جس میں پاکستان بھر کے مشہور کالجوں کے مقرر حصہ لیتے۔ پہلا دن اردو، دوسرا انگریزی جبکہ تیسرے دن پنجابی مباحثہ ہوتا۔ شام مشاعرے کی نظر ہوتی۔ شاید پاکستان کا یہ واحد کالج تھا جہاں اوّل آنے والی ٹیم کو طلائی تمغہ عطا کیا جاتا تھا۔ یہ تمام تقریبات بڑے سکون اور اطمینان بھرے ماحول میں منعقد ہوتیں۔

اردو کانفرنسیں: اُردو کو شروع سے ہی جماعت احمدیہ کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کی کم و بیش تمام تصانیف اردو میں ہیں۔ جماعت ہمیشہ اردو کی ترویج میں کوشاں رہی ہے۔ تعلیم الاسلام کالج کی سرکاری زبان اردو تھی۔ کالج کی انتظامیہ اردو کی ترویج اور اہمیت کو اجاگر کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتی تھی۔ آئے دن مشاعروں کے علاوہ دو آل پاکستان اردو کانفرنسوں کا انعقاد کیا گیا، پہلی 1964 اور دوسری 1967 میں۔ جن میں پاکستان کے طول و عرض سے نمائندگان شامل ہوئے اور اپنے بلند پایہ مقالات پیش کئے۔ پہلی کانفرنس میں پیش کئے گئے چیدہ چیدہ مقالات ''ذکرِ اردو'' کے عنوان سے چھپ چکے ہیں۔

کھیلیں: انسانی زندگی میں ورزش کی اہمیت مسلمہ ہے۔ طالب علمی کی زمانے میں ہلکی پھلکی ورزش ذہنی اور جسمانی نشو نما کے لئے اہم ہے۔ تعلیم الاسلام کالج اپنے قادیان کے زمانے سے ہی کھیل کے میدان میں سرِفہرست رہا ہے۔ ہاکی، فٹ بال، روئینگ اور کشتی رانی کی ٹیمیں مشہور تھیں۔ کالج کی کشتی رانی کی ٹیم کئی سال مسلسل چیمپئن رہی۔

مضامین کی مجالس: ہر قسم کے طالب علم کی دلچسپی کے لئے کالج یونین (جسے قائداعظم سوسائیٹی کہا جاتا تھا) کے علاوہ ہر مضمون کی اپنی سوسائیٹی تھی۔ ہر سال نئے عہدیدار منتخب ہوتے اور سال بھر اجلاسات کا انعقاد ہوتا طلباء تقاریر اور مضامین پڑھتے۔ سال میں سوسائیٹیوں کے تحت مختلف مقامات کے معلوماتی دورے ہوتے۔ نصف خرچہ کالج ادا کرتا، جبکہ باقی طلباء مہیا کرتے۔ اکثر باہر سے صاحبانِ علم کو مدعو کیا جاتا جو طلباء کو اپنے فن کے بارے میں خطاب کرتے۔ اور طلباء کے سوالات کا جواب دیتے۔

نمایاں بہترین نتائج: جب اسطرح علم کی آبیاری ہو رہی ہو تو ظاہر ہے طلباء کی ذہنی نشو نما پر تو ضرور اسکا مثبت اثر مترتب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر سال کالج کا کوئی نہ کوئی طالب علم بورڈ اور یونیورسٹی میں position لیتا۔ بعض مضامین میں نتیجہ سو فیصد رہتا۔ مجموعی طور پر کالج کے نتائج کئی فیصد یونیورسٹی کے نتائج سے اوپر ہوتے۔ یونیورسٹی سے affiliated کالجوں میں تعلیم الاسلام کالج منفرد مقام کا حامل تھا۔ کالج کے سنہرے دور کی یادیں کالج کے طلباء کی یادوں اور پنجاب یونیورسٹی کی فائلوں میں محفوظ ہیں۔

تعلیم الاسلام کالج کے موجودہ متوحش حالات

تعلیم: 1973 کی قومیانے کی احمقانہ حرکت نے جہاں ملک کو اقتصادی کساد بازاری میں دھکیل دیا، وہاں تعلیم کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ تعلیمی ادارے جب تک اپنے مالکوں کے زیرِ انتظام تھے پڑھائی کا ماحول بہترین تھا، طلباء اور اساتذہ محنت اور لگن سے کام کرتے اور ملک کی خدمت میں اپنا کردار ادا کرتے۔ جونہی تعلیمی اداروں کے اختیارات گورنمنٹ کے سپرد ہوئے بیگانہ مال سمجھ کر ضمیر فروشوں نے اچھے بھلے کام کرتے ہوئے سسٹم کو تہس نہس کر دیا۔ پروفیسر صاحبان الّا ماشاء اللہ اپنی مرضی سے کالج میں تشریف لاتے، مرضی سے کلاسیں لیتے ہیں۔ پرنسپل کی جرأت نہیں کہ باز پرس کرے، مبادا پروفیسر صاحب کے اکسانے پر اسکے خلاف جلوس نہ نکل جائے۔ اگر کوئی استاد کلاس لے ہی لیتا ہے تو الّا ماشاء اللہ غیر نصابی گفتگو دل آزار مذہبی گفتگو پر منتج ہوتی ہے۔ طلباء کی دلآزاری پر جب طلباء پرنسپل سے شکایت کرتے ہیں، تو اسکا گھڑا گھڑایا جواب ہوتا ہے'' میں کچھ نہیں کرسکتا، اوپر سے یہی حکم ہے۔'' پڑھائی میں عدم دلچسپی کا نتیجہ قدرتی طور پر کالج کے بدترین نتائج پر منتج ہوٗا ہے۔ نتائج کا گراف بورڈ اور یونیورسٹی کے نتائج سے کہیں کم ہوتا ہے۔ کئی سالوں سے کوئی طالب علم کسی پروفیشنل کالج میں داخلہ نہیں لے سکا! حد یہ کہ کئی مضامین کا نتیجہ صفر رہتا ہے۔

عمارت کی مخدوش حالت: کالج کی تعمیر کے وقت کلرزدہ زمین کا خاص طور پر لحاظ رکھتے ہوئے تعمیر میں احمد نگر سے ٹینکر کے ذریعے میٹھا پانی لا کر استعمال کیا گیا تھا۔ اس احتیاط کے باعث کالج کی عمارات پینتیس چالیس سال تک جبکہ کالج انجمن کے زیرِ انتظام تھا، ٹھیک ٹھاک رہی۔ آخر کار کلر کا اثر برآمدوں اور کمروں کے فرش کی شکست وریخت سے ظاہر ہونے لگا۔ گورنمنٹ نے ٹھیکیدار کے ذریعے مرمت کروائی جو بمشکل ہفتہ چلی۔ فرش کی اوپری تپلی سی سیمنٹ کی جھلی کے اترتے ہی نیچے سے سیمنٹ اور ریت کا آمیزہ اچھل کر باہر آ گیا، چلتے پھرتے طلباء کو ایسا احساس ہوتا کہ پتھریلے صحرا میں سے گزر رہے ہیں۔ گورنمنٹ کے انجینئر وں نے معائنہ کیا، مرمت کا تخمینہ لگوایا، ٹینڈر طلب کئے گئے، منظور ہوئے، مرمت ہوئی، مرمت کا معائنہ ہوا، پاس ہوٗا، ہزاروں روپے کے بلوں کی ادائیگی ہوئی۔۔۔ کیا جادو ہوٗا کہ طلباء کا چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا۔ اس دوران چھتوں میں دراڑیں پڑ گئیں، بارش کا پانی بجائے اس کے کہ پرنالوں سے بہتا، کمروں کے اندر تباہی لانے لگا۔ گورنمنٹ پھر حرکت میں آ گئی۔ نتیجہ وہی رہا جو بیان کیا جا چکا ہے۔ بیالوجی میوزیم کی چھت کی مرمت کے دوران خاکسار ابھی کالج میں تھا۔ چھت ادھڑ رہی تھی نیم دلانہ کوششوں سے بیم کے نہ ٹوٹنے کا بہانہ کیا گیا اور انہی پر چھت ڈال دی گئی، میرے ریٹائر ہونے تک سیمنٹ کے پلاسٹر کے ٹکڑوں کی بارش ہوتی رہتی تھی۔

الفضل انٹرنیشنل (29 دسمبر تا 4 جنوری 2007) میں چھپنے والی خبر سے معلوم ہوٗا کہ کالج کی تمام عمارت خستہ حال ہونے کے باعث کالج کو کسی اور عمارت میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ جس کو بہانہ بنا کر مُلّاؤں نے ہنگامہ آرائی کی ہے۔ انا للہ وا نا الیہ را جعون۔

درخواستِ دعا: ہمارا ایمان ہے کہ تعلیم الاسلام کالج نے قائم رہنا ہے۔ نہ صرف قائم رہنا ہے، بلکہ یونیورسٹی بن کر انسانیت کی خدمت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تعلیم الاسلام کی شاخیں سیرالیون، گھانا، نائیجیریا اور دوسرے ممالک میں قائم ہو چکی ہیں اور دن بہ دن ترقی پذیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کرے ہم یہ پشگوئیاں جلد سے جلد پوری ہوتی دیکھیں، آمین۔ حضرت مسیحِ زماں علیہ السلام کی دعاؤں کے طفیل اور خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ جماعت احمدیہ کو تعلیمی ادارے قائم کرنے کی توفیق عطا کی ہے، جہاں نونہالانِ جماعت علمی اور ذہنی جلاء پا کر خدمتِ دین کے لئے دنیا بھر میں پھیل کر خدمتِ انسانیت کر رہے ہیں۔ اب ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج کی کمی نصرت جہاں اکیڈمی'' انٹر کالج'' کے طور پر احسن طور پر پوری کر رہی ہے۔ امید ہے یہ ادارہ چند سالوں کے اندر'' ڈگری کالج'' میں ترقی کر کے خدمتِ انسانیت پر کمر بند نوجوان پیدا کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ؎

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
میری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

۔۔۔ ایک عظیم خاتون ۔۔۔

محترمہ امتہ الحفیظ صاحبہ بیگم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب سے گفتگو

عاتکہ صدیقہ ۔ لاس اینجلس

محترمہ امتہ الحفیظ بیگم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے حالات زندگی پر سرسری نظر ڈالنا اور ان کے اندر جھانکنے سے جو ان کی تصویر ہمارے سامنے ابھرتی ہے اس میں کئی رنگوں کی آمیزیش ہے۔ ان کی ذات کے بیسیوں پہلو ہیں۔ اور ہر پہلو ہیرے کی طرح دمکتا ہے۔ شخصیت کی اس رنگارنگی کے باوجود محترمہ کے مزاج میں ایک توازن پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے نظریات میں فراست وتدبیر اعلیٰ اسلامی اقدار اور عملی زندگی کی معاملہ فہمی میں خوشگوار امتیاز کو برقرار رکھنے کی قائل ہیں۔ عالی ظرفی اور وسیع النظری کے علاوہ متانت اور سنجیدگی کے اوصاف ان کی شخصیت میں غایت درجہ موجود ہیں۔ وہ ایک امن پسند خاتون ہیں۔ اور عمل اور سکون میں حکایتیں اور شکائتیں شاذ ہی ہوتی ہیں۔ وہ خودنمائی کی قائل نہیں۔ اور جانتی ہیں کہ اس کا فقدان انسانی عظمت کی دلیل ہے۔ وہ خوددار انسان ہیں۔ اور انا کے اس رنگ کو بخوبی سمجھتی ہیں۔ جس میں عجز وانکسار کے ساتھ خلوص ومحبت شامل ہوتے ہیں۔ خلوص تو اثائی اور ادّعائی آواز میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ خلوص اگر انکساری کی سزا بن جائے ادعا کمال کی بجائے تمنائے کمال اور آرزوئے دوام کی شکل اختیار کرے تو انا کی خوبی اور محبوبی سے کسے انکار ہوسکتا ہے۔ ان کی نشست و برخاست اور گفتگو میں تمنائے کمال اور مسرت اظہار کے اسی انداز نے محبوبی کو نمایاں کیا ہے۔

ابوالفضل نے لکھا ہے کہ کمال فن اور تکمیل کا ایک بڑا راز نیازمندی میں ہے۔ آپ اس رمز سے آشنا ہیں کہ عجز وانکسار کے نتیجے میں جو مثبت خصائص اسلامی اقدار کی رُوح کو تابندہ کرتے ہیں وہ نفی انا کی شکل میں جلوہ گر ہوسکتے ہیں۔ ان کی عاجزی کی داستان ان کے باطل کی پاکیزگی کا ایک واضح نشان ہے۔

Orange سٹی میں ڈاکٹر حمید الرحمان کی عالی شان رہائش گاہ خوبصورت شاہراہ کے کنارے واقع ہے۔ جس میں ان دنوں لندن سے محترمہ امتہ الحفیظ بیگم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحبہ تشریف لائی ہوئی ہیں۔ آج 10 مئی 2006ء کو خوش قسمتی سے عزیزہ مسرور جتالہ نے اُنہیں انٹرویو کے لئے رضا مند کرلیا۔ شام کے 4 بج چکے تھے۔ کیلےفورنیا میں مئی کی دھوپ کے ساتھ سرد ہوا کے جھونکوں نے موسم کو کیف آگیں بنا دیا تھا۔ میں اور مسرور جتالہ وقت معین پر ڈاکٹر حمید الرحمان کے بنگلے کے سامنے عزیزم عمران الحق کے ساتھ پہنچ گئے وہ ہمیں ڈراپ کر کے واپس آ گیا اور ہم دونوں کو گھر کے پچھلے لان میں فیملی سوئمنگ پول کے کنارے بٹھا دیا گیا۔ جہاں مسز ڈاکٹر عبدالسلام اخبارات کے مطالعہ میں مصروف تھیں۔ اس وقت سفید سادہ قمیص اور شلوار میں ملبوس دیکھ کر مجھے محسوس ہوا روح کی پاکیزگی اور باطن کے نور نے سفید لباس کا روپ دھار لیا۔ جو ان کی پوری زندگی کا آئینہ دار ہے۔ لباس کی سادگی کی طرح ان کا مزاج بھی سادہ ہے۔

انٹرویو کا آغاز ہوا۔ میں نے حالات زندگی کے بارے میں استفسار کیا۔ انہوں نے جو کچھ بتایا اور میں نے جو کچھ محسوس کیا اور جو تاثر لیا اس کا خلاصہ

پیش ہے۔

محترمہ بیگم صاحبہ کو لجنہ اماء اللہ کے اجلاس میں بارہا دیکھا تھا۔ اور دو بار غریب خانہ پر بھی تشریف لائیں۔ لیکن انہیں اس بے تکلفی کے عالم میں کبھی دیکھنے کا موقعہ میسر نہیں آیا۔ درحقیقت ایک فرد کی شخصیت کو اُس وقت تک صحیح طور پر سمجھا نہیں جا سکتا۔ جب تک وہ رکھ رکھاؤ اور تکلفات کی قیود سے آزاد نہ ہو۔ آج محترمہ مکرمہ کی شخصیت کی چند جھلکیاں دیکھیں۔ ایسی جھلکیاں دیکھنے کیلئے نگاہیں دیوانہ وار اٹھی رہیں گی۔

آپ زندگی کا جو سفر طے کر چکی ہیں اس کے نشانات چہرے کی کیفیات سے ظاہر ہیں۔ لیکن آنکھوں میں ان کے تابناک ماضی کی گہرائیاں جھانک رہی ہیں۔ ان میں نئی نسل کی اصلاح کا جذبہ بدرجہ اتم کروٹیں لیتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کی گفتار میں سنجیدگی، الفاظ میں محبت کی گھلاوٹ اور لہجے میں ٹھہراؤ ہے۔ دل میں اسلامی اقتدار احمدیہ کلچر کے تحفظ کی کسک اور لگن اکثر بے چین و بے قرار کئے رکھتی ہے۔ ان کی زندگی کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عظمت و سربلندی مسلسل ریاضت و وفا اور جگر داری کے بغیر ممکن نہیں۔ محترمہ امتہ الحفیظ صاحبہ سے مل کر ہی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے عالمی شہرت کے حامل سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام (1926-1996) کے مبارک وجود کی خوش قسمت بیوی ہی نہیں، وہ بھی خوش قسمت خاوند تھے اس لئے کہ انہیں ایک رفیقہء حیات میسر آئی جو مشرقی تہذیب اسلامی اقدار اور زُہد و تقویٰ کا مجسم نمونہ ہیں۔ آپ انتہائی شفیق و ملنسار، مخلص مہمان نوازی کے جذبے سے سرشار، مہمان کی آؤ بھگت کرنے والی ایسی عظیم خاتون جو اپنے ہاتھ سے ماکولات پلیٹوں میں انڈیلنے میں انتہائی خوشی محسوس کرتی ہیں۔ ایسی عظیم ہستی کی منکسر المزاجی سے ایک عام مہمان پہلی دفعہ دوچار ہوتا ہے۔

آپ سے پہلا سوال تھا۔

سوال...... آپ کی ابتدائی زندگی کے کوائف اس انداز سے درکار ہیں کہ خاندان اور گھر کی صحیح تصویر نظر آئے۔ اس ضمن میں اپنے آبائی وطن جھنگ سے قادیان کو ہجرت کے واقعات بھی بتایئے؟

جواب...... (آپ نے کچھ توقف کے بعد فرمایا) ہمارے آباؤ اجداد جھنگ کے رہنے والے تھے۔ اور جد امجد حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم کے زیر اثر مسلمان ہوئے تھے۔ آپ ایک ہندو راجپوت کے شہزادے تھے۔ جو دنیا کو چھوڑ کر اپنے آقا کی صُحبت میں رہتے تھے۔ حتّٰی کہ بہاء الدین زکریاؒ کے مقبرہ کے اندر حضرت مخدوم سعد کے نام سے مدفون ہیں۔ میرے دادا جان صاحب کشف، نیک سیرت زہد و تقویٰ سے معمور عبادت گزار انسان تھے۔ اور دادی جان کی سیرت اور عادات ان سے ملتی تھیں۔ گو میں نے انہیں نہیں دیکھا ان کے حالات و اوصاف کا ذکر کچھ اپنے والدین سے اور کچھ خاندان کے دیگر بزرگوں سے سنا۔ ان کے تین بچے تھے۔ بڑے والد صاحب، آپ کا نام غلام حسین تھا۔ دوسرے چچا محمد حسین، (ڈاکٹر صاحب کے والد محترم) اور میری پھوپھی جان جنت بی بی اپنے دونوں بھائیوں سے چھوٹی تھیں۔

میرے والد صاحب 21 جنوری 1874 کو جھنگ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ایم بی مڈل اسکول جھنگ شہر سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور صوبہ پنجاب میں اول رہے۔ میٹرک کا امتحان آپ نے گورنمنٹ ہائی اسکول جھنگ سے دیا تھا۔ اور صوبہ میں دوسرے نمبر پر آئے۔ جھنگ میں اس وقت کوئی کالج نہیں تھا۔ اس لئے مزید تعلیم آپ نے مشن کالج لاہور (موجودہ ایف سی کالج) لاہور سے حاصل کی۔ اور امتیازی شان کے ساتھ بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ کچھ عرصہ گورنمنٹ ہائی اسکول جھنگ شہر میں ملازمت کے بعد پنجاب ایجوکیشنل سروس (PES) سے منسلک ہو گئے۔ جلد ہی آپ ڈیرہ غازی خاں میں بطور اسسٹنٹ ڈائیریکٹر آف اسکولز متعین ہو گئے۔ اپنی محنت اور احسن کارکردگی کی وجہ سے لدھیانہ میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے اور یہاں سے ترقی پا کر ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز کے عہدے پر کام کیا۔ 1932 میں ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ عرصہ اپنے آبائی وطن جھنگ شہر میں رہے۔ بعد ازاں آپ 1934-35 میں قادیان منتقل ہو گئے اور وہاں سکونت اختیار کی۔

پھر 1932 سے 1947 تک آپ نے قادیان میں ناظر تعلیم کے فرائض سرانجام دیئے اور پاکستان کے بننے کے بعد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ آپ

واپس جھنگ آ گئے۔ جہاں آپ کی جائداد اور بہن بھائی بھی تھے۔ آپ کو تعلیم کا بہت شوق تھا۔ آپ کے وسیع مطالعہ کے ساتھ علماء و اکابرین سے بہت تعلقات تھے۔ ان میں ایک نامور بزرگ عالم شیخ اسماعیل پانی پتی نے سوانح محمد حسین میں ابا جان کے مزاج کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے ان کی شگفتہ مزاجی اور لطیف مزاح کا بھی ذکر کیا ہے۔

گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے محترمہ بیگم صاحبہ نے مزید بتایا کہ ابا جان ریٹائرمنٹ کے بعد حج کے لئے تشریف لے گئے اور کئی ماہ تک واپس نہ آئے۔ جب ان سے اتنی دیر سے واپس آنے کا پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ سلطان بن عبدالعزیز ابن سعود کو کسی نے ان کے بارے میں بتایا کہ وہ ایک اچھے عالم ہیں۔ کئی زبانوں پر انہیں عبور حاصل ہے۔ تو شاہ نے ان سے بعض کتب کے انگریزی تراجم کرائے تھے۔ اس کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے سے پہلے وہ واپس نہیں آسکتے تھے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ انہوں نے سلطان عبدالعزیز ابن سعود کو درجِ ذیل حدیث کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بتایا کہ ارض حجاز میں تیل ہے۔

ترجمہ...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی۔ جب تک کہ ایک آگ حجاز کی زمین سے نہ نکلے گی۔ جو بصرے تک اونٹوں کی گردنیں روشن کردے (بخاری کتاب الفتن، حدیث نمبر 1993)

چنانچہ سلطان عبدالعزیز ابن سعود نے

The Saudian Arabian Mining Syndicate Ltd. Incorporated in England کو تیل وغیرہ نکالنے کا ٹھیکہ دینے کا ایک معاہدہ کیا۔ اور اس کمپنی کی کوششوں سے ارض حجاز میں تیل دریافت ہوا۔ اس طرح ابا جان نے فرمانروائے ارض حجاز کی اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں راہنمائی کی۔

بات کو جاری رکھتے ہوئے محترمہ نے فرمایا

نیز میری پیدائش 23 دسمبر 1924 کو جھنگ شہر میں ہوئی۔ میں بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ ہم پانچ بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ میری والدہ محترمہ کا نام صہبا بیگم تھا۔

سوال...... آپ نے تعلیمی زندگی کا آغاز کہاں اور کن حالات میں کیا۔ اور تعلیمی دنیا میں جن مدارج کو طے کیا اس کے ساتھ گھر کا دینی ماحول اور جماعت کے تعلیمی پروگراموں میں حصہ آپ کے فطری رجحان پر کس طرح اثر انداز ہوا۔

جواب...... میں نے جھنگ شہر پرائمری اسکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ایک سال بعد جب میں چھٹی جماعت میں تھی تو ابا جان قادیان کو ہجرت کر گئے۔ وہاں داخلہ لیا۔ اور مڈل کا امتحان پاس کیا۔ جب میں نے نویں درجے میں قدم رکھنا چاہا تو اتفاقاً انہی دنوں حضرت مصلح موعودؓ نے قادیان میں دینیات کی کلاسز کا اجراء فرمایا تھا۔ ایک ملاقات پر حضور اقدسؓ نے فرمایا کہ 9th کلاس میں جانے کی بجائے دینیات کلاس میں داخلہ لے لو لہٰذا ان کے فرمان کی تکمیل میں چار برس تک دینیات کالج میں تعلیم حاصل کی۔ ان کلاسز میں تاریخ اسلام عربی زبان اور اسلامی فقہ کے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ اس کلاس میں میرے ساتھ حضرت مصلح موعودؓ کی اپنی صاحبزادیاں بی بی امتہ المتین صاحبہ، بی بی امتہ الرشید صاحبہ اور محترمہ بی بی امتہ العزیز صاحبہ بھی تھیں۔ اس کے علاوہ محترمہ امتہ الرشید شوکت صاحبہ اور محترمہ نصیرہ نزہت صاحبہ بھی تھیں۔ جن کے نام جماعت احمدیہ کی معروف خواتین میں شامل ہیں۔

اس کے بعد حالات یکسر بدل گئے۔ 1947ء کے وسط میں پارٹیشن ہوئی اور ہم واپس ملتان آ گئے۔ یہاں چند ماہ گزارنے کے بعد جھنگ شہر میں دوبارہ سکونت اختیار کی۔ جس کا ذکر ابا جان کے حالات میں بیان کر چکی ہوں۔

سوال...... شادی سے پہلے ناصرات الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کی تنظیموں سے وابستگی کا کوئی قابل ذکر واقعہ بتایئے۔ اس عرصہ میں کسی فرد نے آپ کو متاثر کیا ہو تو اپنے تجربات بتایئے۔ نیز تعلیمی زندگی کا کوئی تجربہ جو ہمارے لئے مشعل راہ ہو۔

جواب...... ناصرات الاحمدیہ کی پہلی سیکریٹری بی بی امتہ الرشید تھیں۔ جو اماں اول حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی نواسی ہیں۔ ان کی زیر قیادت 1939 میں

خلافت جوبلی کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس میں ناصرات نے بھی حصہ لیا۔حضرت آپا مریم اُم طاہر صاحبہ کی صدارت میں پہلی مرتبہ عاجزہ نے ایک نظم سنائی اس کا پہلا بند سناتی ہوں

اے قوم احمدی تو ذرا غور سے تو دیکھ
دینِ خدا کے واسطے تو نے ہے کیا کیا
ہے دعویٰ وراثت اصحاب مصطفیٰؐ
ان کی طرح بتا تو سہی تو نے کیا کیا

حاضرین نے اس نظم کو بہت پسند کیا۔خصوصاً میری استانی میمونہ صاحبہ نے مجھے بہت داد دی۔ یہ دینیات کالج میں فقہ پڑھاتی تھیں۔اس کے بعد پندرہ سال کی عمر کو پہنچی تو لجنہ اماء اللہ میں شامل ہو کر جماعت کی معروف کتاب کشتی نوح کے امتحان میں اول آئی۔اسی طرح تقریری مقابلہ جات ہوئے۔میری تقریر سچائی کے موضوع پر تھی۔اس میں بھی اول انعام کی مستحق قرار پائی۔اور یہ انعام حضرت محترمہ نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہؓ کے ہاتھوں سے لیا۔
دوسرے پردے کا اہتمام اوائل عمر سے ہی کیا۔اسے آپ کے لئے مشعل راہ تجربہ کہوں گی۔خود بھی پردہ کیا اور اپنی بیٹیوں کو بھی اس کی اہمیت سمجھائی۔اپنی لجنہ کی ممبرات کو ہمیشہ پردہ کی تلقین کی۔اس پیغام کو دوہرانے میں کوتاہی نہیں کی۔دُعا بھی ہمیشہ کی۔اور باقی اس کے نتائج خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔

سوال......والدین اور بہن بھائیوں کا آپ کی شخصیت کے پنپنے میں کیا کردار رہا؟

جواب......میں بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ بڑے بھائی تو گھر سے باہر ہوتے تھے۔والدین کے مزاج کا گہرا اثر قبول کیا۔ظاہر ہے بڑے بھائی بہنوں کے اسلامی اخلاق اوصاف بھی میرے سامنے رول ماڈل کے طور پر عملی نمونہ تھے۔چچا جان (ڈاکٹر صاحب کے والد صاحب) نے اپنی ڈائری میں ابا جان کے بارے میں لکھا ہے:

برادر موصوف نہایت صاحب فراست، بااخلاق، متقی، عالم باعمل، بردبار، ذکی الطبع غرباء کے ہمدرد تھے۔

(اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے بیگم صاحبہ نے مزید فرمایا)
گھر کے افراد کے بعد حضرت امان جان رضی اللہ عنہا،حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کے علاوہ حضرت اُمِّ طاہر صاحبہ سے بھی قریبی تعلق رہا۔ کیونکہ وہ ان دنوں لجنہ اماء اللہ کی جنرل سیکریٹری تھیں۔ ان کے اوصاف حمیدہ نے میرے فطری رجحانات کو نکھارا نتھارا اور سنوارا جن کی ابتداء گھر کے ماحول سے ہوئی تھی۔

سوال......آپ کی شادی خاندان میں ہوئی، اس سلسلے میں آپ اور ڈاکٹر صاحب کے والدین کا کیا رول تھا۔کیا اس میں آپ دونوں کی پسند کا بھی کوئی دخل تھا؟

جواب......تقریباً اکیس برس کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہوئی۔تو اس کے دو سال بعد میری شادی ہوگئی۔اس رشتہ کی بنیاد ہمارے والدین کے خوابوں پر رکھی گئی تھی۔میری پیدائش سے ایک روز قبل ابا جان نے خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی محترمہ نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کو شاہی بگھی میں سوار اپنی طرف آتا دیکھ کر سمجھ لیا تھا کہ لڑکی تولد ہوگی۔اس لئے میرا نام بھی ان کے نام پر رکھنے کا فیصلہ کیا۔اسی قسم کی ایک خواب محترم چچا جان (ڈاکٹر صاحب کے والد) نے بھی ڈاکٹر صاحب کے بارے میں ان کی پیدائش سے قبل دیکھی تھی۔ان خوابوں کی معنوی جھلک ہمارے ابا جان اور چچا جان کے اشعار میں دکھائی دیتی ہے۔ وہ ڈاکٹر صاحب کی پیدائش کی اطلاع کے موقع پر ابا جان کے پاس بیٹھے تھے۔خاکسارہ امتہ الحفیظ کو لوری دے رہے تھے۔
(اتنا کہہ کر محترمہ دھیمے اور پروقار لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے جذباتی ہوگئی اور ان کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ابھر آئے ۔ادھر میرا شوق تجسس ان اشعار کو سننے کے لئے اور بڑھ گیا۔اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اشعار سنانے کی استدعا کی)۔
دل کی بات کہنا کچھ آسان نہیں اس کے لئے بہت کچھ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ کتنی ہی تمہیدیں اٹھانی پڑتی ہیں۔محترمہ کی یہ کچھ گومگو کی کیفیت ایک کتاب

نے آسان کر دی اس کے مصنف ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے بھائی عبدالحمید ''چودھری عبدالسلام'' نامی اپنی کتاب میں فی البدیہہ کہہ گئے ان اشعار کو درج کیا ہے۔ جو دعائیہ رنگ رکھتے ہیں۔ان کا ایک بند پیش ہے۔

آپا آسیں تے کاکا لیاسیں توں جھولی بہہ کھڈائیں
متھا چمیں، بودی چمیں ، تاڑی مار رہائیں
ایہا گل کریندیاں سنتوکوں چھٹی آئی
عبدالسلام جوں پیدا ہوا فضل کیتا رب سائیں

(۱......آپا: ہم اپنی والدہ کو آپا پکارا کرتے تھے۔
۲......رہائیں: خاموش کرانا
۳......سنتوکوں: ڈاکٹر صاحب کی جائے پیدائش ضلع ساہیوال کا ایک گاؤں)

سوال ......شادی کے بعد آپ کی ذمہ داریوں پر ڈاکٹر صاحب کے معمولات کس رنگ میں اثر انداز ہوئے۔خصوصاً ان کی مصروفیت اور شہرت نے جو اضافہ کیا۔اس سے آپ کیسے عہدہ برآ ہوتی رہیں۔ایسے چند واقعات بتائیے جو ان مخصوص حالات میں پیش آئے ہوں

جواب ......محترمہ امتہ الحفیظ صاحبہ مسکراتے ہوئے کہنے لگیں شادی کے بعد کچھ عرصہ سسرال کے ہاں ملتان میں رہی، ڈاکٹر صاحب کیمبرج یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے حصول میں مصروف تھے۔اس یونیورسٹی کے قوانین کے مطابق یہ ڈگری تین سال سے پہلے نہیں دی جاتی تھی۔انہوں نے تین سال کا کورس ایک سال میں مکمل کر لیا۔تو یونیورسٹی کے قوانین میں ترمیم کی گئی۔اور انہیں یہ ڈگری پہلے دے دی گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی غیر معمولی ذہانت کے باعث امریکہ کی پرنسٹن انسٹی ٹیوٹ نے جنوری 1951ء میں فیلوشپ دے دی۔اور وہ امریکہ چلے گئے۔

اس ادارے میں ان کی ملاقات آئن سٹائن سے ہوئی۔جو وہاں ڈائریکٹر تھے آئن سٹائن کی عمر 72 برس تھی۔آٹھ ماہ اس ادارے میں کام کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب واپس کیمبرج آ گئے۔اور ستمبر میں پاکستان پہنچے۔ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات کا علم تو شادی سے پہلے بھی تھا۔ وہ اپنی تعلیم و تحقیق کو مقدم جانتے تھے۔اس لئے میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کرتی رہی کہ میرا کوئی مطالبہ ان کے کام میں رکاوٹ نہ بنے

محترمہ بیگم صاحبہ نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا کہ 1951ء کے ستمبر میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر اور صدر شعبہ مقرر ہوئے۔تقرری کے وقت انہیں سات پیشگی ترقیاں دی گئیں۔حکومت پنجاب کی تاریخ میں غالباً یہ منفرد مثال ڈاکٹر صاحب کی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس کے یونیورسٹی ڈاک خانہ سے ملحق ہمیں رہائش دی گئی۔اس سے قبل وہ ہر ہفتے چھ گھنٹے کا سفر طے کر کے ہمیں ملنے کے لئے ملتان تشریف لاتے رہے۔ ہماری بیٹی عزیزہ رحمن سلمہا ملتان میں پیدا ہوئی تھی۔ یہ تقریباً ڈیڑھ برس کی ہوئی تو ہم لاہور شفٹ ہو گئے۔

اس سال 1953ء میں جماعت احمدیہ کو ہر قسم کی اذیتوں کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب وطن چھوڑنے پر رضا مند نہ تھے۔ دریں اثنا انہیں کیمبرج یونیورسٹی سے لیکچرر شپ کی آفر ہوئی، لاہور کی ملازمت کے بعد ڈاکٹر صاحب کو شدید احساس ہو گیا تھا کہ تحقیقی کاموں کے لئے یہاں فضا ناموافق ہے۔یہ سب باتیں اپنی جگہ وہ اپنے والدین بہن بھائیوں اور دیگر احباب کو چھوڑنے کے خیال سے کشمکش میں مبتلا رہے۔آخر کار والدین کے مشورہ سے 30 ستمبر کو کیمبرج کی پیش کش قبول کر لی۔اور 1953 کے آخر میں ہمیں ساتھ لیکر بحری جہاز سے انگلستان کے لئے روانہ ہو گئے۔اس وقت بڑی بیٹی عزیزہ رحمان سلمہا کی عمر تقریباً چار سال تھی۔ڈاکٹر صاحب کو حکومت پنجاب نے تین سال کے لئے کیمبرج یونیورسٹی میں ڈیپوٹیشن پر لیکچرر شپ کے عہدے پر کام کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

سوال ......ڈاکٹر صاحب نے اپنی مصروفیات کے باعث باپ کی حیثیت سے جو رول ادا کیا تھا، کیا آپ اس سے مطمئن رہیں۔اور یہ بھی بتائیے کہ ڈاکٹر صاحب نے فیملی کی سیر و تفریح کو زندگی کیلئے ضروری سمجھا۔اور اس میں دلچسپی لی؟

جواب ......ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات اور سیر وتفریح کے واقعات تو بہت ہیں۔ چند ایک سنانے پر اکتفا کرتی ہوں۔محترمہ امتہ الحفیظ کے الفاظ تکلف و تصنع کے ہر شائبے سے بلند تھے۔

آپ نے فرمایا:

کیمبرج (1956-54) میں آکر پہلے سال ہی ڈاکٹر صاحب ڈرائیونگ ٹیسٹ دینے کے لئے گئے تو کئی گھنٹوں تک واپس نہ لوٹے، تو میں طویل انتظار کرنے کے بعد ان کو لینے گئی۔ڈاکٹر صاحب نے بڑی افسردگی کے لہجے میں بتایا کہ یہ پہلا زندگی کا امتحان ہے جس میں ناکام ہوا ہوں۔اس ناکامی کو بہت محسوس کیا۔ میں جلد ہی ڈرائیونگ سیکھ گئی تھی۔ دوسری کوشش میں ڈاکٹر صاحب نے بھی یہ ٹیسٹ پاس کرلیا تھا۔مگر وہ میرے ساتھ ہی ہر جگہ جانا پسند کرتے تھے۔ اس لئے سیر وتفریح کے لئے گردونواح میں بھی لے کر جایا کرتی تھی۔ جگہ کا انتخاب ڈاکٹر صاحب ہی کرتے تھے۔اُسی برس کرسمس کی تعطیلات ہوئیں تو ڈاکٹر صاحب نے تمام گروسری اسٹور اور دکانیں وغیرہ مجھے دکھا دی تھی۔ گو یہ سب ہمارے فلیٹ سے زیادہ فاصلے پر نہ تھے۔مگر وہ اپنی تعلیمی اور تحقیقی مصروفیات کا ذکر تو کرتے رہتے تھے۔ مجھے بھی معلوم تھا کہ یہ کام اُن کے لئے زیادہ مقدم ہے۔اس لئے گھریلو کام کاج میں نے سنبھال لئے تھے۔ جب بچے چھوٹے تھے بچوں کو اسکول اور ڈاکٹر صاحب کو کالج چھوڑنے کے بعد گھر کا کام میں کرتی تھی۔

اور لجنہ کے متعلق ضروری کام بھی، تاکہ سہ پہر کو بچوں کے آنے پر اُن کی طرف توجہ کرسکوں شام کو ڈاکٹر صاحب کے آنے پر مصروفیت بڑھ جاتی اس لئے لجنہ کی ممبرات کو شام کو فون نہ کرنے کی ہدایت تھی۔ اور بچوں کی سیر وتفریح کا خیال بھی خود ہی رکھنا پڑتا جب کبھی ڈاکٹر صاحب کو موقعہ ملتا تو ہمیں ساتھ لیکر تفریحی مقامات پر جاتے تھے۔

نومبر 1954 میں ہماری منجھلی بیٹی آصفہ پیدا ہوئی میں قرب وجوار کے مقامات پر بچوں کو لیجایا کرتی تھی۔ ابھی ہم کیمبرج میں تھے کہ بشریٰ کی پیدائش متوقع تھی تو میں کچھ عرصہ کے لئے پاکستان آ گئی۔اس دوران امپیریل کالج لندن سے پروفیسرشپ کے عہدہ کیلئے ڈاکٹر صاحب کو پیش کش ہوگئی۔ یکم جنوری 1957 سے 1993 تک اسی کالج میں رہے عزیزہ بشریٰ جھنگ شہر میں پیدا ہوئی۔ ایک برس کے بعد پاکستان سے واپسی ہوئی۔ اس وقت تک ڈاکٹر صاحب نے لندن میں رہائش کا انتظام کرلیا تھا۔اور ان کے والدین بھی ہمارے پاس لندن آگئے تھے۔ڈاکٹر صاحب کے بھائی عبدالماجد نے کیمبرج سے تعلیم حاصل کی، بھائی عبدالحمید بھی ٹریننگ کے لئے اور رشید بھائی بھی تشریف لائے۔اس طرح میری مصروفیت بڑھ جاتی،تو بچے ہمسائیوں کے بچوں کے ساتھ مل کر سکول جایا کرتے تھے۔

محترمہ امتہ الحفیظ صاحبہ نے گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

جب بچے چھوٹے تھے تو میں دس سال تک پاکستان نہ جاسکی۔اسی طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے وقت گزرتا رہا۔ احمد 1960ء میں پیدا ہوا۔ اُس وقت تقریباً اڑھائی سال لندن قیام کے بعد ڈاکٹر صاحب کے والدین واپس تشریف لے آئے تھے۔

سوال ......آپ نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کہاں کہاں کے سفر کئے تھے۔ کسی سفر کا یادگار واقعہ سنایئے۔

جواب ......محترمہ بیگم صاحبہ نے اپنے جچے تلے الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہا کہ میرا پہلا سفر ماسکو کا ہے جہاں ڈاکٹر صاحب نے سائنس اکیڈیمی کی اینی ورسری میں شمولیت کے لئے جانا تھا۔ ماسکو میں ڈاکٹر صاحب نے بچوں کے اسکول دکھائے اور ان کی تعلیمی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔اس کے علاوہ زار کے پیلس اور باغات وغیرہ دکھانے کے لئے لے گئے تھے۔وہاں ہمارا قیام تقریباً ہفتہ بھر رہا۔(اتنا کہہ کر بیگم صاحبہ رُک گئیں ان کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی وہ غالباً شدت جذبات پر قابو پانے کی جد و جہد کر رہیں تھیں۔قدرے توقف کے بعد فرمایا)

اسی طرح سویڈن کا سفر ہے جو ایک ان مٹ یادگار ہے۔ یہ نوبیل انعام کی تقسیم کا موقعہ تھا۔اس میں افراد خانہ کے علاوہ سابق سفیر پاکستان آفتاب احمد بھی شریک تھے۔ پہلی قطار میں شاہی خاندان کے افراد اور انعام لینے

والوں کی بیگمات بیٹھی تھیں۔ تقریب کے آغاز میں ڈاکٹر صاحب نے 'سورۃ الملک' کی آیات تلاوت کیں۔ سویڈن کی تاریخ میں پہلی دفعہ شاہی ارکان اورا کابرین نے قران کریم سنا۔ آفتاب احمد خان ڈاکٹر صاحب کے بچپن کے دوست تھے۔ انہوں نے پگڑی باندھنے میں ڈاکٹر صاحب کی مدد کی۔

سوال ......خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ نے لجنہ اماء اللہ احمدیہ کی صدارت کے فرائض بھی ایک لمبے عرصے تک سرانجام دیئے اس عرصے میں جماعت اور خلافت سے وابستگی کے واقعات بتایئے۔ نیز وہ کون سا طریق آپ نے اختیار کیا۔ جس نے لجنہ کی بنیاد کو اتنا مضبوط کیا کہ وہ آگے سے آگے بڑھتی رہی۔ جہاں آج ہم اُسے دیکھ رہے ہیں۔

جواب ......(محترمہ امتہ الحفیظ کچھ عرصہ کیلئے خاموش رہیں جیسے وہ متعدد واقعات جمع کر رہی ہوں پھر اُس مجاہدانہ عزم وعمل کے ساتھ عاجزانہ راہوں کو اختیار کرنے کے اسلوب اور اسے ترقی دینے کے طور طریقے جو ان کی قیادت نے اختیار کیے اُن پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا)

ابتداء میں لجنہ کا کوئی آفس نہیں تھا۔ ٹیلی فون کی سہولت نہیں تھی۔ کاپیئر بھی نہیں تھا۔ غرض یہ کہ ہر قسم کی سہولت نہ ہوتے ہوئے کام کرنا تھا۔ الحمدللہ یہ سب کام ہم سردی میں بیٹھ کر کرتے تھے۔ اور خاکسارہ نے لجنہ کی 1960 تا 1988 تک صدارت کے فرائض ادا کرنے کی توفیق پائی۔ اس صدارتی قیادت کے دوران 45 مزید برانچز قائم ہوگئی تھیں۔ یوں تو خاکسارہ نے جماعت احمدیہ کے خلفائے کرام کے چار مبارک دور دیکھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے دور میں لجنہ کی خدمت کا موقع ملا۔ 77-1976 میں حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی آمد پر پروگرام منعقد کیا۔ اسی طرح 1984ء میں حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ کی لندن میں آمد کے موقعہ پر امام مسجد عطاء المجید راشد کی راہنمائی میں اُن کی بیگم قانتہ راشد صاحبہ مرحومہ مجیدہ شاہنواز صاحبہ اور انور کاہلوں کی بیگم صاحبہ کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا۔ ان سب نے بڑے اخلاق سے بڑھ چڑھ کر لجنہ کے کاموں کو سرانجام دیا۔

سوال ......لجنہ کی ممبرات کا آپ کے ساتھ تعاون کیسا رہا۔ کیا کسی کے اخلاص نے آپ کو اتنا متاثر کیا۔ جو قابل ستائش ہو۔

جواب ......ممبرات کے اخلاص وفا اور ذمہ داری کو نباہنے میں کسی نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس لئے یہ تخصیص کرنا مشکل ہے کہ عاجزہ کوئی نشاندہی کرے۔ خدا تعالیٰ سب کو اس کی جزا دے۔ اسی کی دی ہوئی توفیق سے ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ بلکہ جہاں آج ہم لندن کی لجنہ اماء اللہ کی سرگرمیوں کو دیکھ رہے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ان رحمتوں کے نشان نظر آ رہے ہیں جو جماعت پر ہمیشہ نازل ہوئے۔ اس لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کا ہی شکر گزار ہونا چاہیئے۔

خلافت سے وابستگی کے سلسلے میں محترمہ امتہ الحفیظ صاحبہ نے مزید فرمایا کہ یہاں یہ ذکر بھی کرتی چلوں کہ جب حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ لندن میں آمد کے بعد عورتوں کی طرف تشریف لائے تو مجھے غالباً ساڑھی میں دیکھ کر پہچان نہ سکے۔ آپ کے ہمراہ محترمہ آصفہ بیگم کے علاوہ عزیزات مونا اور طوبیٰ بھی تھیں۔ حضور نے اپنی پگڑی کی صفائی اور کلف لگانے کا کام میرے سپرد کیا تھا۔ اور مجھے اپنی انگوٹھی جس پر ''الیس اللہ بکاف عبدہ'' کندہ ہے اس پر سیاہ رنگ کی سافٹ کاٹن لپیٹنے کا ارشاد فرمایا۔ بعد ازاں سنار سے مستقل طور پر درست کروالیا تھا۔

سوال ......لندن میں آپ نے عائلی زندگی کا بیشتر حصہ گزارا۔ اس معاشرے میں بچوں کی تعلیم وتربیت کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کا کیا رول رہا؟

جواب ......بچوں کی تعلیم کی طرف ڈاکٹر صاحب کی بھرپور توجہ رہی۔ جہاں تک لباس کا تعلق ہے۔ اس میں میری مداخلت رہی۔ ڈاکٹر صاحب کا معمول تھا کہ شام کے کھانے پر جب اکٹھے ہوتے تو فرداً فرداً سب بچوں سے دن بھر کی تعلیمی مصروفیات کے متعلق استفسار کرتے اور راہنمائی فرماتے تھے۔

سوال ......کیا بچوں کے تعلیمی کیریر سے ڈاکٹر صاحب مطمئن تھے۔ اس سلسلے

میں قابل ذکر واقعات سنائیے۔

جواب......ڈاکٹر صاحب بچوں میں بڑی بیٹی ڈاکٹر عزیزہ رحمٰن کے تکمیل علم سے زیادہ مطمئن تھے۔ظاہر ہے اس نے سائنس میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ اور دوسرے بچوں نے جو مضامین پڑھے ان میں علم کی لگن کا جذبہ دیکھ کر اطمینان کا اظہار ہی کرتے رہے۔

سوال......ڈاکٹر صاحب کو جو کامیابیاں عطا ہوئیں،ان پر ڈاکٹر صاحب کا کیا رَدِّعمل رہا۔خصوصاً نوبیل پرائز کی اطلاع پر آپ دونوں کا کیا عالم تھا۔

جواب......جس روز نوبیل انعام دیئے جانے کا اعلان ہوا، ڈاکٹر صاحب گھر میں تشریف رکھتے تھے اسی روز دن کے بارہ بجے سرکاری طور پر فون کے ذریعے اطلاع موصول ہوئی تو ہم خبر سنتے ہی فوراً مسجد فضل لندن گئے۔ میں کار چلا رہی تھی۔ مسجد میں شکرانے کے نفل ہم دونوں نے ادا کئے۔ اس کے بعد ہر طرف سے مبارک باد کا سلسلہ شروع ہوا۔

سوال......(میں نے محترمہ امتہ الحفیظ صاحبہ پر پُر امید نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا) سائنس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے زیرِ مطالعہ کن مضامین کی کتب آپ کے مشاہدے میں آئیں۔کیا انہیں کسی بھی زبان کے ادب سے دلچسپی تھی؟

جواب......اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں یہ کہنا چاہوں گی کہ وہ کون سا علم کا شعبہ تھا جس سے ڈاکٹر صاحب کو دلچسپی نہ تھی۔ادب کے حوالے سے یہ کہوں گی کہ انہوں نے زمانہ طالب علمی میں ایک ڈرامہ بھی لکھا تھا۔ جو گورنمنٹ کالج لاہور کے رسالہ راوی میں ڈاکٹر وزیر آغا صاحب کی زیر ادارت شائع ہوا۔نثر کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کو شاعری سے بھی دلچسپی تھی ہر بڑے شاعر کی کتب ان کے پاس تھیں۔ تاریخ کو بہت دلچسپی سے پڑھتے تھے۔موجودہ دور کے فیض احمد فیض کا مطالعہ کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا۔اُن کے بعض اشعار کا حوالہ اپنی گفتگو میں دیا کرتے تھے۔اُن کی وفات کے بعد اُن کی یاد میں ایک لیکچر تیار کیا۔ جو اپنے انگوٹھے میں تکلیف کے باعث مجھے Dictate کرایا گیا تھا۔آخر کار 27 فروری 1988 میں انٹر کانٹی نینٹل لاہور میں فیض فاؤنڈیشن نے ڈاکٹر صاحب کے اعزاز میں ایک شاندار تقریب کا انتظام کیا۔اس موقع پر اپنے ادبی لگاؤ کے بارے میں فرمایا کہ نظریاتی اختلاف کے باوجود فیض مرحوم اور اس عاجز میں کئی قدریں مشترک ہیں۔ان کا یہ شعر اکثر دہرایا کرتے تھے ؎

کئی بار اس کی خاطر ذرے ذرے کا جگر چیرا
مگر یہ چشم حیراں جس کی حیرانی نہیں جاتی

اسی طرح ایک انٹرویو میں ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا۔شعر سے مجھے لگاؤ رہا ہے۔نظم لکھنا کوئی مشکل کام ہے؟ میں نے تو شاید ایک آدھ نظم لکھی مگر ہمیشہ ہی سارے بڑے سائنس دان اچھے ادبی ذوق کے مالک رہے۔یہ تو آرٹس والے ہوتے ہیں جو بالکل ''چرخے'' ہوتے ہیں۔جو ایسی باتیں نہیں کہہ سکتے۔میں نے ہمیشہ ہی ادب میں دلچسپی لی ہے۔

سوال......ڈاکٹر صاحب کی معروف صفات میں والدین اور اساتذہ کا احترام نمایاں ہے ۔کیا اس کی تلقین وہ اپنے بچوں کو بھی کیا کرتے تھے؟

جواب...... چچا جان، ڈاکٹر صاحب کے والد بہت دُعا گو تھے۔ڈاکٹر صاحب کی سعادت مندی نے ہی ان کی علمی لگن کو تیز کیا۔بلکہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے والدین سے عشق کی حد تک پیار تھا۔تقریباً تین سال کے لئے انہیں لندن لے آئے تھے۔ والدین کی قدردانی کے بارے میں بچوں کے سامنے قرانی آیات دہرایا کرتے تھے۔ڈاکٹر صاحب نے ان آیات پر خود بھی عمل کیا۔اور بچوں کو بھی اُن کی تلقین کیا کرتے تھے۔

گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب اور میں نے بھی بہت پیار عزت اور دوستانہ ماحول میں بچوں کی تربیت کی کوشش کی۔ان کی دینی اور دنیاوی تعلیم اور عملی تربیت کا بھی پورا خیال رکھا۔اپنے عملی نمونے سے بھی اُن کی راہنمائی کی؛ بچوں کی تعلیم وتربیت کا انہیں بے حد احساس تھا۔ بیرونی ممالک کے دوروں سے واپسی کے بعد بچوں کی سکول کی رپورٹوں کو

دیکھتے اور ان کی راہنمائی کرتے۔ اُن کو وقت کی قدر کرنے کی بہت تاکید کرتے وقت کے ضیاع کے ڈر سے گھر میں ٹیلی ویژن رکھنے سے گریز کرتے تھے۔ حالانکہ وہ بے حد شفیق باپ تھے۔ ہمیشہ پیار و محبت اور احترام سے بچوں سے مخاطب ہوتے اور ان کے معاملات طے فرماتے بڑے دھیمے انداز میں گفتگو کرتے ان کے انداز میں ایسی تاثیر تھی کہ بچے ان کی باتوں کا گہرا اثر قبول کرتے رہے۔

جہاں تک اساتذہ کی تکریم کا سوال ہے بچوں کو اُن کے احترام اور عزت کی تلقین کرتے رہے۔ غالباً یہ 1955ء کی بات ہے کہ انہوں نے چچا جان (اپنے والد صاحب) کو اپنے اساتذہ کی تلاش کے لئے لکھا۔ تاکہ اساتذہ کی پیرانہ سالی میں نذرانہ کے طور پر کچھ مالی اعانت کر سکیں۔ اس وقت ان کے چھ اساتذہ بقید حیات تھے۔

سوال ......ڈاکٹر صاحب کا مزاج کیسا تھا۔ ان کی مرغوب غذا کیا تھی۔

جواب ......ڈاکٹر صاحب ناشتہ میں انڈا اور ٹوسٹ اور بعد میں چائے کی ایک پیالی پیا کرتے تھے۔ کھانے میں انہیں شوربے والا سالن آلو گوشت تلی ہوئی مچھلی، سیخ کباب، اور ماش کی دال پسند تھی۔ سبزیوں میں مشروم بہت پسند کرتے تھے۔ مجموعی طور پر مچھلی کو اُن کی مرغوب غذا کہا جا سکتا ہے۔ مختلف ذائقوں سے پکی ہوئی مچھلی بہت پسند تھی۔ عموماً دستر خوان پر ایک وقت میں ایک ڈش پسند کرتے تھے۔

میرا آخری سوال یہ تھا

سوال ......گھریلو معاملات میں ڈاکٹر صاحب سے آپ کا اتفاق رائے نہ ہوا ہو تو آپ دونوں کا ردعمل کیا رہا؟

(محترمہ امتہ الحفیظ صاحبہ نے بڑی فراست، تدبر اور بصیرت سے کام لیتے ہوئے اپنے تجربات کا خلاصہ بیان کیا۔)

جواب ......ڈاکٹر صاحب بلا کے ذہین تھے گفتگو کرتے گویا منہ سے پھول جھڑتے اور سننے والا اثر لئے بغیر نہ رہ سکتا۔ خود حساس تھے۔ اور دوسروں کے احساسات کو متاثر کرنا جانتے تھے۔ اس طرح اختلاف کا سوال ہی پیدا نہ ہوا۔ الغرض سنتالیس سالہ رفاقت کو چند گھنٹوں میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ ڈاکٹر صاحب سائنس کی دنیا میں جس مرتبہ پر پہنچے اس سے تو دنیا واقف ہے۔ لیکن جس شان سے خدائے واحد یگانہ کے ایمان کا حق ادا کیا ایسا سائنسدان ملنا مشکل ہے۔ امام وقت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات پر اور دعاؤں کے ساتھ یہ فرمایا تھا...... سلام ہو جس دن تو پیدا ہوا اور جس دن تو مرے گا اور جس دن دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پیدائش سے پہلے وہ سلام لکھ دیا تھا۔ جو سلام موت کا سلام بھی بن گیا اور زندگی کا بھی۔ خدا تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔ یہاں لفظ سلام سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا اشارہ ڈاکٹر صاحب کے والد چودھری محمد حُسین صاحب کے کشف کی طرف بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات کے موقع پر حضور اقدس نے اس کشف کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ اس کشف میں چودھری صاحب کو ڈاکٹر صاحب کی پیدائش سے قبل ایک فرشتے نے ایک معصوم بچہ پکڑایا اور کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹا عطا فرمایا ہے۔ آپ نے بچے کا نام پوچھا تو آواز آئی عبدالسلام۔

13 مارچ بروز منگل 2006 کو محترمہ کی وفات کی خبر سے دل لرز اٹھے۔ اور یوں محسوس ہوا کہ لاس اینجلس کی لجنہ اماء اللہ ایک شفیق اور ہمدرد نگران ماں سے محروم ہوگئی ہے۔ جس کی محبت کم و بیش اڑھائی، تین دہائیوں کے دوران ہمیں میسر رہی، آپ علم دوست تھیں، قران کریم کی تعلیم اسلامی تاریخ، سیرت رسول اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعودؑ کے علمی خزانے کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں بھی گہری دلچسپی رکھتی تھیں۔

اس نیک دل مہمان نواز، زہد و تقویٰ جیسے اوصاف کا حامل یہ بابرکت وجود تھا۔ جس کو یہ ملکہ حاصل تھا کہ محفل خواہ نجی ہو یا مذہبی، تعلیم و تربیت کے تحت حالات کی مناسبت سے محترمہ امتہ الحفیظ صاحبہ نہایت خوبصورت انداز میں گفتگو کا آغاز کر کے سامعین کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھیں۔ ان کے

موضوعات میں مذہب، انسانیت، اسلامی کلچر اور مغربی معاشرے میں مشرقی خواتین کے کردار پر فی البدیہہ پیرائے میں نصائح فرماتی تھیں۔ سوالات کا جواب تفصیل سے دینے کے باعث ہر دلعزیز تھیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ 28 سال بحیثیت صدر لجنہ انہوں نے خدمات شاندار انجام دیں۔ عورتوں کی تربیت بڑے آرام سے کرنے والی شخصیت تھیں۔ بڑی نرم مزاج تھیں۔ تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والی وفا واطاعت کا مثالی نمونہ تھیں۔ بہت سادہ، صابر اور منکسر المزاج تھیں۔ ایسے دعا کرنے والوں میں شامل تھیں۔ جن کو دُعا کے لئے کہہ کر تسلی ہوتی تھی۔

محترمہ امتہ الحفیظ صاحبہ کی ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھ 47 سال تک ہم نوائی اور قدم قدم کی رفاقت اور تقریباً سوا دس سال کی عارضی مفارقت اس لحاظ سے قابل احترام و قابل فخر ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے سائنس کے تمام اصولوں کو قران مجید کی روشنی میں دیکھتے ہوئے سائنس کو انسانیت کی بھلائی کے لئے استعمال کرنے پر زور دیا اور اس کے لئے خاص کوششیں کیں۔

محترمہ امتہ الحفیظ صاحبہ نے اپنے رنگ میں انسانیت کی بھلائی خصوصاً یورپ میں مشرقی عورتوں کی تربیت اور بھلائی کے کام کئے۔ آپ موصیہ تھیں۔ بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ان کی نماز جنازہ غائب پڑھائی اور دنیا کے بیشتر ممالک میں اور بڑے بڑے مراکز میں ان کی نماز جنازہ غائب ادا کی گئیں۔

دعا ہے خالق و مالک اپنے دربار میں حاضر ہونے والی اس روح کے وجہ تخلیق کائنات کے طفیل درجات بلند فرمائے۔ ان پیاروں کا قرب اخروی زندگی میں عطا فرمائے جن کا قرب دنیاوی زندگی میں انہیں نصیب رہا آمین۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تونے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

۔۔۔۔منظوم کلام۔۔۔۔

حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

یُوں اندھیری رات میں اے چاند تُو چمکا نہ کر
حشر اک سیمیں بدن کی یاد میں برپا نہ کر

کیا لبِ دریا مری بےتابیاں کافی نہیں
تو جگر کو چاک کر کے اپنے یُوں تڑپا نہ کر

دُور رہنا اپنے عاشق سے نہیں دیتا ہے زیب
آسماں پر بیٹھ کر تُو یُوں مجھے دیکھا نہ کر

عکس تیرا چاند میں گر دیکھ لُوں کیا عیب ہے
اس طرح تُو چاند سے اے میری جاں پردہ نہ کر

بیٹھ کر جب عشق کی کشتی میں آؤں تیرے پاس
آگے آگے چاند کی مانند تُو بھاگا نہ کر

اے شعاعِ نُور یُوں ظاہر نہ کر میرے عیوب
غیر ہیں چاروں طرف ان میں مجھے رسوا نہ کر

ہے محبت ایک پاکیزہ امانت اے عزیز
عشق کی عزت ہے واجب عشق سے کھیلا نہ کر

ہے عمل میں کامیابی موت میں ہے زندگی
جا لپٹ جا لہر سے دَریا کی کچھ پروا نہ کر

عبث شہید کرتے ہو!

عبدالسلام جمیل

عبث شہید کرتے ہو
تم ایمان والوں کو
ان کو قتل کرنے سے
ان کی جان لینے سے
یقیناً زُعم ہے تم کو
بے شک تم سمجھتے ہو
تم ایمان والوں کا
جہاں اُجاڑ ڈالو گے
تو پھر سُن لوائے نادانو!
قرآن کی بشارت ہے
شہید کا جان دینا تو
حیات کی ضمانت ہے
ہماری اک شہادت سے
جو جذبے جنم لیتے ہیں
بہشت آباد کرتے ہیں
جہاں سنوار دیتے ہیں
عبث شہید کرتے ہو
تم ایمان والوں کو

جو طرح تم نے ڈالی ہے
تاریخ اس پہ شاہد ہے
یوں ظلم کرنے والوں پر
یوں قتل کرنے والوں پر
خدا کا عذاب آتا ہے
خدا کا قہر گرتا ہے
ابولہب بھی گزرا ہے
ابوجہل بھی گزرا ہے
یہ دونوں ظلم کرتے تھے
یہ دونوں قتل کرتے تھے
خدا کے نام لیوؤں کو
خدا پہ ایمان والوں کو
اُن کا انجام دیکھا ہے
خدا کا کام دیکھا ہے
عبث شہید کرتے ہو
تم ایمان والوں کو

تمہارے دور میں اپنے
ابھی کل ہی کی باتیں ہیں
ایک شاطرِ اعظم
علمِ دیں سے نامحرم
نامِ علی پہ دھبہ تھا
اسی نوع کا اِک غاصب
جو روشنی کا دشمن تھا
یہ دونوں ظلم کرتے تھے
یہ دونوں زخم دیتے تھے

خدا کے نام لیووں کو
خدا پہ ایمان والوں کو
اُن کا انجام دیکھا ہے؟
خدا کا کام دیکھا ہے؟
عبث شہید کرتے ہو
تم ایمان والوں کو

ہمارا اللہ والی ہے
ہمارا اللہ مولیٰ ہے
ہم اسی کے بندے ہیں
اسی کا ہم پہ سایہ ہے
تم اسیرِ دامِ شیطاں ہو
اسی نے تمہیں بہکایا ہے
تم ہاتھ روک لو اپنے
اگر کچھ خوف خدا کا ہے
اگر یہ زُعم ہے تم کو
معرکہ کوئی مارا ہے
پھر مُنہ کیوں چھپاتے ہو
خوف میں ڈوب جاتے ہو؟
عبث شہید کرتے ہو
تم ایمان والوں کو

اے ناعاقبت اندیشو!
عقل و فہم کے اندھو!
اس بے ضمیر مُلّاں نے
جو زیرِ چرخِ نیلوفر
ہے خلق میں حقیر تر
اُس انسانیت کے دشمن نے
جو سبق تمہیں پڑھایا ہے
جہنم میں گرایا ہے
عبث شہید کرتے ہو
تم ایمان والوں کو

اپنے انجام سے پہلے
کچھ عقل کے تم ناخن لو
پہلے جو ہو گزرا ہے
لازم ہے اب وہی کچھ ہو
قبل اس کے حکم جاری ہو
اب کے تمہاری باری ہو
کوئی تمہارا ساتھ نہ دے
گھڑی جب تم پہ بھاری ہو
نکل آؤ اندھیروں سے
مُلّاؤں کے گھیرے سے
آ جاؤ تم اُجالوں میں
روحانیت کے ہالوں میں
یہ ساری سچی باتیں ہیں
یہ ساری اچھی باتیں ہیں
تم تھام لو خلافت کو
یہ نبوت کی خلافت ہے
اس کے مقابل ٹھہروگے؟
ہلاکت ہی ہلاکت ہے
عبث شہید کرتے ہو
تم ایمان والوں کو
عبث شہید کرتے ہو
تم ایمان والوں کو

ذیلی تنظیموں کا قیام

مبشر احمد خالد

حضرت مصلح موعودؓ ان ممتاز ابنائے آدم میں سے تھے جو مدتوں بعد افق انسانیت پر طلوع ہوتے ہیں۔ اور جن کی روشنی صرف ایک نسل کو نہیں بلکہ بیسیوں نسلوں کو اپنی ضیاء پاشی سے منور کرتی رہتی ہے۔

دراصل پیشگوئی مصلح موعود میں کسی انفرادی عظمت کے حامل عظیم ہیرو کی پیدائش کا ذکر نہیں بلکہ اس میں ایک ایسے مذہبی راہنما کی ولادت کی خبر دی گئی ہے جسے اس زمانہ کی ایک مذہبی تحریک کا روحِ رواں بننا تھا۔ اور جس کی تمام قوتیں اور فطری استعدادیں اس تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے وقف ہوجانا تھیں اور جس نے اپنی ہمعصر دنیا میں ہی نہیں بلکہ بعد کی دنیا میں بھی ایک درخشندہ نام اور وسعت پذیر کام پیچھے چھوڑنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے زندگی کے ہر شعبہ میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو رہتی دنیا تک مشعل راہ کا کام دیں گے۔ آپ کی بصیرت افروزی اور عرفان کی نورافشانیوں کا یہ عالم تھا کہ آپ کی تصنیفات وتحقیقات کا قاری نہ صرف وجد کرنے لگتا ہے بلکہ خود اس کی ذہنی بینائی اور فکری بصیرت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور اس کا ذہن اور دماغ نقطہ رس اور معنی آفریں بن جاتا ہے۔

اردو کے مایہ ناز محقق جناب علامہ نیازی فتح پوری تفسیر کبیر کی جلد سوئم کے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں۔

’’آپ کی تبحر علمی۔ آپ کی وسعت نظر۔ آپ کی غیر معمولی فکروفراست آپ کا حسن استدلال۔ آپ کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے۔ اور مجھے افسوس ہے کہ میں کیوں اس وقت تک بے خبر رہا کاش! کہ میں اس کی تمام جلدیں دیکھ سکتا‘‘۔

(بحوالہ الفضل 17نومبر 1963صفحہ 3)

حضور کی غیر معمولی ذہانت، بے پناہ وسعت علمی، اور خداداد فکروفراست کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی مصلح موعود کے ان الفاظ کہ ’’وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا‘‘ میں بڑے جامع طور پر فرمادیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پیشگوئی کے ان الفاظ پر غور کرنے کے بعد کوئی انسان بھی اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کی غیر معمولی فکروفراست پر سوچا تو جاسکتا ہے مگر اس کا احاطہ کرنا بہت مشکل امر ہے۔

اگر آپ ایک طرف منازلِ سلوک کے رازداں تھے تو دوسری طرف آپ صاحب فکروطرز مصنف اور اعلیٰ درجہ کے مقرر اور خطیب بھی تھے۔ اور تنظیم جماعت، اجتماعی اور انفرادی نفسیات فلسفہء قیادت اور تربیت جماعت کے ماہر بھی تھے۔ گو کہ آپ کے تمام کارناموں کا تعلق براہِ راست آپ کی خداداد فکروفراست کے ساتھ ہے۔ لیکن اس مضمون میں صرف آپ کے بے مثل و بے مثال کارنامہ کو تحریر کرنا چاہتا ہوں جو جماعت احمدیہ کی غیر معمولی تنظیم و تربیت کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔

حضرت مصلح موعودؓ 1914 میں منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ اس عظیم روحانی منصب پر فائز ہوتے ہی آپؓ کی بصیرت نے یہ ضروری سمجھا کہ اصل مقصود کو پانے کیلئے پہلے افراد جماعت کو اندرونی طور پر منظّم کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر آپ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھتے ہی افرادِ جماعت کی تنظیمی لحاظ سے تربیت کرنی شروع کردی۔

لجنہ اماء اللہ کا قیام

سب سے پہلے عورتوں کی تعلیم وتربیت اور تنظیم کی طرف توجہ دی۔ کیونکہ

عورتیں کسی بھی قوم کا آدھا دھڑ ہوتی ہیں۔ بلکہ بعض لحاظ سے ان کا کام مردوں سے بھی زیادہ ذمہ داری کا رنگ رکھتا ہے۔ کیونکہ قوم کا آئندہ بوجھ اٹھانے والے نونہال انہی کی گودوں میں پرورش پاتے ہیں۔ پس آپ کی دُور بین نگاہ نے جماعت کی ترقی کیلئے ضروری سمجھا کہ عورتوں کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ کی جائے۔ تاکہ وہ جماعت کے نظام کا ایک کارآمد حصہ بن سکیں چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے عورتوں کی تربیت شروع کردی ان میں جماعت کی خاطر قربانی کا جذبہ پیدا کیا۔ اوران کی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ اور مستورات میں احساس پیدا کیا کہ وہ مردوں سے قربانی میں کسی طرح بھی کم نہیں۔

جب حضور نے مستورات میں خدمتِ دین اور خدمت قوم کا شوق۔ اور دلچسپی دیکھی تو آپ نے 25 دسمبر 1922 کو باقاعدہ طور پر لجنہ اماء اللہ کی تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ احمدی عورتوں نے آپ کی قیادت میں ترقی کی جو منازل طے کیں ان کی تفصیل بڑی دلچسپ ہے۔ اور احباب جماعت کیلئے بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔ عورتوں کے خصوصی تعلیمی اداروں کا قیام جامعہ نصرت کے ذریعہ کالج کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام جس میں دینی تربیت کا پہلو بہت نمایاں تھا۔ پھر لجنہ اماء اللہ کی تنظیم کے ذریعہ مختلف دستکاریوں کی تربیت عورتوں کی علیحدہ علیحدہ کھیلوں کا انتظام ان میں مباحثوں اور تقاریر کا ذوق وشوق پیدا کرنا مضمون نگاری کی طرف انہیں توجہ دلانا۔ ان کیلئے علیحدہ اخباروں اور رسالوں کا اجراء اور جلسہ سالانہ میں عورتوں کے علیحدہ اجلاسات میں خواتین مقررین کا عورتوں کو خود خطاب کرنا۔ ہر قسم کی تعلیمی سہولتیں اس رنگ میں مہیا کرنا کہ غریب سے غریب احمدی بچی بھی کم ازکم بنیادی تعلیم سے محروم نہ رہے۔

ناصرات الاحمدیہ کا قیام

1928 سے لجنہ اماء اللہ کی زیرِ نگرانی چھوٹی بچیوں کی بھی ایک مجلس قائم ہے۔ جس کا نام حضورؓ نے بعد میں ناصرات الاحمدیہ رکھا اس مجلس میں سات سے پندرہ سال کی عمر تک کی بچیاں بطور ممبر شامل ہوتی ہیں۔

اور لجنہ اماء اللہ کی زیر نگرانی اپنے الگ الگ اجتماعات منعقد کرتی ہیں اور دوسری علمی اور دینی دلچسپیوں میں حصہ لیتی ہیں۔ ابتدائی عمر سے ہی بچیوں میں دینی اور علمی شوق پیدا کرنے کے لحاظ سے یہ مجلس بہت مفید کام کررہی ہے۔ شروع سے بچیوں کی تربیت اس انداز میں کی جاتی ہے کہ بڑی ہوکر جب وہ لجنہ اماء اللہ کی ممبر بنیں تو اپنے تجربہ اور تربیت کی بناء پر مجلس کی بہترین کارکن ثابت ہوں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ نے باون سالہ دورِ خلافت میں ہندوستان کی پسماندہ عورت کو ایک ادنیٰ مقام سے اٹھا کر ایک ایسے بلند مقام پر فائز کردیا۔ جسے دنیا کے سامنے دینِ حق کی عظمت کے نمونہ کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اور بعض اور امور میں وہ دنیا کی انتہائی ترقی یافتہ اور آزاد ممالک کی عورتوں کیلئے بھی ایک مثال بن گئیں۔ صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفاء کروں گا۔ حضرت فضل عمر کی خلافت کے آخری ایام میں ایک موقع پر جب ربوہ کی مردم شماری کی گئی تو یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ اگرچہ مردوں میں سے ایک معمولی تعداد ناخواندگان کی بھی پائی گئی۔ لیکن عورتیں خدا کے فضل سے سو فیصدی خواندہ نکلیں کئی لڑکیوں نے مولوی فاضل کے امتحان بھی پاس کئے۔ جن میں سے ایک لڑکی مولوی فاضل کے امتحان میں پنجاب بھر میں اول رہی۔ اور یہ حضرت مصلح موعودؓ کی ذاتی توجہ اور نگرانی کا ہی نتیجہ تھا۔ الغرض حضرت فضل عمر کے زمانہ میں حضور کی ہدایات، اور نگرانی کے ماتحت احمدی مستورات نے ہر پہلو سے ترقی کی اور بعض کاموں میں تو وہ اس قدر جوش اور شوق دکھاتی ہیں کہ مردوں کو پیچھے چھوڑ دیتی ہیں اور مالی قربانی میں بھی ان کا قدم ہمیشہ ہی پیش پیش رہا۔ جماعت میں بہت سی بیوت الذکر اور بعض دیگر سلسلہ کی عمارات صرف مستورات کے چندوں سے تعمیر کی گئیں۔ کئی مواقع پر لجنات نے اپنے زیورات تک اتار کر پیش کردیئے۔ اب تو خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی تعداد اور وقار پہلے سے بہت بڑھ چکا ہے۔ جب ابھی ابتدائی دور تھا اور جماعت ہر لحاظ سے نسبتاً بہت کمزور اور غیر معروف تھی۔ اس وقت بھی جماعتی تنظیموں کا بنظر غور جائزہ لینے والوں نے اس تنظیم میں عظمت کے ایسے آثار دیکھے تھے۔ جن کا نوٹس لئے بغیر نہ رہ سکے۔ تحریک سیرت کے مشہور لیڈر مولانا عبدالمجید قریشی نے اپنے اخبار ''تنظیم'' میں لکھا۔

''لجنہ اماء اللہ قادیان احمدیہ خواتین کی انجمن کا نام ہے۔ اس انجمن کے ماتحت

ہر جگہ عورتوں کی اصلاحی مجالس قائم کی گئی ہیں۔ اور اس طرح پر ہر وہ تحریک جو مردوں کی طرف سے اٹھتی ہے خواتین کی تائید سے کامیاب بنائی جاتی ہے اس انجمن نے تمام خواتین کو سلسلہ کے مقاصد کے ساتھ عملی طور پر وابستہ کر دیا ہے۔ عورتوں کا ایمان مردوں کی نسبت زیادہ مخلص اور مربوط ہوتا ہے۔ عورتیں مذہبی جوش کو مردوں کی نسبت زیادہ محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ لجنہ اماء اللہ کی جس قدر کارگزاریاں اخبار میں چھپ رہی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ احمدیوں کی آئندہ نسلیں موجودہ کی نسبت زیادہ مضبوط اور پُر جوش ہوں گی۔ اور احمدی عورتیں اس چمن کو تازہ دم رکھیں گی جس کا مرورِ زمانہ کے باعث اپنی قدرتی شادابی اور سرسبزی سے محروم ہونا لازمی تھا۔''

(بحوالہ تاثرات قادیان ص 173)

اسی طرح ماہنامہ مصباح کو پڑھ کر ایک آریہ سماجی اخبار تیج کے ایڈیٹر نے لکھا کہ:

''میرے خیال میں یہ رسالہ اس قابل ہے کہ ہر ایک آریہ سماجی اس کو دیکھے۔ اس کے مطالعہ سے انہیں احمدی عورتوں کے متعلق جو یہ غلط فہمی ہے کہ وہ پردہ کے اندر بند رہتی ہیں اس لئے کچھ کام نہیں کرتیں فی الفور دُور ہو جائے گی۔ اور انہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ عورتیں باوجود اسلام کے ظالمانہ حکم کے طفیل پردہ کی قید میں رہنے کے کس قدر کام کر رہی ہیں۔ اور ان میں مذہبی اخلاص اور تبلیغی جوش کس قدر ہے۔ ہم استری سماج قائم کر کے مطمئن ہو چکے ہیں۔ لیکن ہم کو معلوم ہونا چاہئے کہ احمدی عورتوں کی ہر جگہ باقاعدہ انجمنیں ہیں اور جو وہ کام کر رہی ہیں اس کے آگے ہماری استری سماجوں کا کام بالکل بے حقیقت ہے۔ مصباح کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ احمدی خواتین ہندوستان، افریقہ، عرب، مصر، یورپ اور امریکہ میں کس طرح اور کس قدر کام کر رہی ہیں اور ان کا مذہبی احساس اس قدر قابل تعریف ہے کہ ہم کو شرم آنی چاہیئے چند سال ہوئے ان کے امیر نے ایک مسجد کیلئے پچاس ہزار روپے کی اپیل کی اور یہ قید لگا دی کہ یہ رقم صرف عورتوں کے چندہ سے ہی پوری کی جائے۔ چنانچہ پندرہ روز کی قلیل مدت میں ان عورتوں نے پچاس ہزار کی بجائے پچپن ہزار روپے جمع کر دیا۔''

(تاثرات قادیان ص 230-231)

بلا شبہ اس تنظیم کا روشن ماضی اور درخشندہ حال ایک خوش آئندہ مستقبل کا پتہ دیتے ہیں۔ اور ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ دن دُور نہیں جب خلفائے سلسلہ کی روحانی قیادت کے تابع مستورات کی یہ انجمن دنیا بھر کی سب دوسری خواتین کی انجمنوں سے زیادہ اور سچی علمبردار بن جائے گی۔ یہ بات محض خوش فہمی نہیں بلکہ حقائق کا رُخ اور جماعت احمدیہ کا کردار بتا رہا ہے کہ لازماً ایک دن ایسا ہو کر رہے گا۔

خدام الاحمدیہ کا قیام

حضرت مصلح موعودؓ نے اللہ تعالیٰ کی مشیت خاص کے ماتحت عالمگیر غلبہءِ اسلام کیلئے جن عظیم الشان تحریکات کی بنیاد رکھی ان میں سے نہایت شاندار نہایت اہم اور مستقبل کے اعتبار سے نہایت دُور رَس نتائج کی حامل تحریک مجلس خدام الاحمدیہ ہے۔ جس کا قیام 1938 کے آغاز میں ہوا حضور کو اپنے عہد خلافت کی ابتداء سے ہی احمدی نوجوانوں کی تنظیم و تربیت کی طرف ہمیشہ توجہ رہی تا کہ ہر زمانہ میں جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کی تربیت اس طور پر ہوتی رہے کہ وہ اسلام کا جھنڈا بلند رکھیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اس مقصد کی تکمیل کیلئے وقتاً فوقتاً مختلف انجمنیں قائم فرمائیں مگر ان سب تحریکوں کی جملہ خصوصیات مکمل طور پر مجلس خدام الاحمدیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوئیں۔ اور حضرت صاحب کی براہ راست قیادت، غیر معمولی توجہ اور حیرت انگیز قوت قدسی کی بدولت مجلس خدام الاحمدیہ میں تربیت پانے کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کو ایسے مخلص ایثار پیشہ، دردمند دل رکھنے والے، انتظامی قابلیتیں اور صلاحیتیں رکھنے والے مدبر دماغ میسر آ گئے۔ جنہوں نے آگے چل کر سلسلہ احمدیہ کی عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی سے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور آئندہ بھی ہم خدا سے یہی امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر نسل میں ایسے لوگ پیدا کرتا چلا جائے گا۔

مجلس انصاراللہ

6 جولائی 1940 کو حضور نے مجلس انصاراللہ کی نسبت بعض بنیادی ہدایات دیں۔ جن کا تذکرہ حضور ہی کے الفاظ میں پیش ہے۔

''چالیس سال سے اوپر والے جس قدر آدمی ہیں وہ انصاراللہ کے نام سے اپنی ایک انجمن بنائیں اور قادیان کے وہ تمام لوگ جو چالیس سال سے اوپر ہیں اس میں شریک ہوں۔ ان کیلئے بھی لازمی ہوگا کہ وہ روزانہ آدھ گھنٹہ خدمت دین کیلئے وقف کریں اگر مناسب سمجھا گیا تو بعض لوگوں سے روزانہ آدھ گھنٹہ لینے کی بجائے مہینہ میں 3 دن یا کم وبیش اکٹھے بھی لئے جاسکتے ہیں۔ مگر بہرحال تمام بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کا بغیر کسی استثناء کے قادیان میں منظّم ہوجانا لازمی ہے۔''

(تاریخ انصاراللہ جلد اول ص 36-37)

مجلس اطفال الاحمدیہ

اسی موقع پر حضور نے خدام الاحمدیہ کو یہ ارشاد فرمایا کہ:

''ایک مہینہ کے اندر اندر خدام الاحمدیہ آٹھ سے پندرہ سال کی عمر تک کے بچوں کو منظّم کریں اور اطفال الاحمدیہ کے نام سے ان کی ایک جماعت بنائی جائے اور میرے ساتھ مشورہ کرکے ان کیلئے مناسب پروگرام تجویز کیا جائے۔''

(تاریخ خدام الاحمدیہ جلد اول ص 173)

اس طرح حضرت فضل عمرؓ نے ننھی منی احمدی کلیوں کو جنہوں نے آگے چل کر باغ احمد کے خوش رنگ اور خوبرو پھول بننا تھا اور دنیا کو اپنے روحانی رنگ روپ سے معطر کرنا تھا ایک مالا میں پرو دیا اور اس طرح ابتداء سے ہی ان کی اخلاقی روحانی، جسمانی، ذہنی اور علمی تربیت کا سلسلہ جاری فرمادیا۔ یہ تنظیم خدام الاحمدیہ کا ہی ایک حصہ ہے۔ ہے تو یہ ایک چھوٹی سی دنیا مگر اپنے نظام اور لائحہ عمل کے لحاظ سے بالکل کھلی ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی اسی تنظیم کی برکت سے ہی آج دنیا میں یہ تاثر قائم ہو چکا ہے۔ کہ کبھی کوئی احمدی بچہ دلائل کے میدان میں مغلوب نہیں ہوسکتا۔ آپ نے قصر احمدیت کی ان چار دیواریوں کو مکمل کرنے کے بعد فرمایا:

''ہماری جماعت کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ ہم نے تمام دنیا کی اصلاح کرنی ہے۔ تمام دنیا کو اللہ تعالیٰ کے آستانہ پر جھکانا ہے۔ تمام دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کو قائم کرنا ہے۔ مگر یہ عظیم الشان کام اس وقت تک سرانجام نہیں دیا جاسکتا جب تک ہماری جماعت کے تمام افراد خواہ بچے ہوں یا نوجوان ہوں یا بوڑھے ہوں اپنی اندرونی تنظیم کو مکمل نہیں کر لیتے اور اس لائحہ عمل کے مطابق دن رات عمل نہیں کرتے جو ان کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ جب ہم تمام جماعت کے افراد کو ایک نظام میں منسلک کرلیں گے تو اس کے بعد ہم بیرونی دنیا کی اصلاح کی طرف کامل طور پر توجہ کرسکیں گے اس اندرونی اصلاح اور تنظیم کو مکمل کرنے کیلئے میں نے خدام الاحمدیہ، انصاراللہ اور اطفال الاحمدیہ تین جماعتیں قائم کی ہیں۔''

(تاریخ مجلس خدام الاحمدیہ جلد اول ص 458)

ذیلی تنظیمیں سلسلہ احمدیہ کی روحانی بقا کا ذریعہ ہیں

ایک اور موقع پر فرمایا:

''سلسلہ کی روحانی بقاء کیلئے میں نے خدام الاحمدیہ، انصاراللہ اور لجنہ اماء اللہ کی تحریکات جاری کی ہوئی ہیں۔ اور یہ تینوں نہایت ضروری ہیں ان تحریکات کو معمولی نہ سمجھیں اس زمانہ میں ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں کہ یہ بہت ضروری ہیں۔ اب حالات ایسے ہیں کہ جب تک دو دو تین تین آدمیوں کی علیحدہ علیحدہ نگرانی کا انتظام نہ کیا جائے کام نہیں ہوسکتا، ہمیں اپنے اندر ایسی خوبیاں پیدا کرنا چاہئیں کہ دوسرے ان کا اقرار کرنے پر مجبور ہوں اور پھر تعداد بھی بڑھانی چاہئیے۔ اگر گلاب کا ایک پھول ہو اور وہ دوسرا پیدا نہ کرسکے تو اس کی خوبصورتی سے دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ فتح تو آئندہ زمانہ میں ہوتی

ہے۔اور معلوم نہیں کب ہو لیکن ،ہمیں کم از کم اتنا تو اطمینان ہو جانا چاہیئے کہ ہم نے اپنے آپ کو ایسی خوبصورتی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ دنیا احمدیت کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔احمدیت کو دنیا میں پھیلا دینا ہمارے اختیار کی بات نہیں لیکن ہم اپنی زندگیوں کا نقشہ ایسا خوبصورت بنا سکتے ہیں کہ دنیا کے لوگ بظاہر اس کا اقرار کریں یا نہ کریں مگر ان کے دل احمدیت کی خوبی کے معترف ہو جائیں اور اس کیلئے جماعت کے سب طبقات کی تنظیم نہایت ضروری ہے۔''

(تاریخ احمدیت جلد نہم ص 75-76)

حضرت مصلح موعودؓ کی عظیم فراست اور بصیرت کے نتیجہ میں تنظیمی لحاظ سے جماعت احمدیہ کی ترقی میں عظیم الشان اثرات مرتب ہوئے۔جماعت احمدیہ حضرت مصلح موعودؓ کے اس عظیم احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی بلکہ ملت کے اس فدائی کو ہمیشہ یاد رکھے گی ؎

اے فضلِ عمر تیرے اوصافِ کریمانہ
یاد آکے بناتے ہیں ہر رُوح کو دیوانہ

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ربوہ کی تعمیر کے وقت پاکستان بھر کے بڑے بڑے اخباروں کے نمائندگان کو ربوہ کی مجوزہ جگہ دیکھنے کی دعوت دی اور ربوہ کا مجوزہ نقشہ دکھاتے ہوئے تفصیلات سے آگاہ کیا۔اس موقع پر لاہور کے مشہور کالم نویس بابا وقار انبالوی مرحوم اپنے اخبار روزنامہ سفینہ میں لکھتے ہیں کہ:

''گزشتہ اتوار کو امیر جماعت احمدیہ نے لاہور کے اخبار نویسوں کو اپنی نئی بستی ربوہ کا مقام دیکھنے کی دعوت دی اور انہیں ساتھ لے کر وہاں کا دورہ کیا۔اس دورے کی تفصیلات اخباروں میں آ چکی ہیں۔ایک مہاجر کی حیثیت سے ربوہ ہمارے لئے سبق ہے۔ساٹھ لاکھ مہاجر پاکستان آئے۔لیکن اس طرح کہ وہاں سے بھی اجڑے اور یہاں بھی کسمپرسی نے انہیں منتشر کر رکھا۔یہ لوگ مسلمان تھے۔رب العلمین کے پرستار اور رحمۃ للعلمین کے نام لیوا۔ مساوات و اخوت کے علمبر دار۔لیکن اتنی بڑی مصیبت بھی انہیں یکجا نہ کر سکی۔ اس کے برعکس ہم اعتقادی حیثیت سے احمدیوں پر ہمیشہ طعنہ زن رہے ہیں۔ لیکن ان کی تنظیم،ان کی اخوت اور دکھ سکھ میں ایک دوسرے کی حمایت نے ہماری آنکھوں کے سامنے ایک نیا قادیان آباد کرنے کی ابتداء کر دی ہے۔ مہاجرین ہو کر وہ لوگ بھی آئے جن میں ایک ایک آدمی خدا کے فضل سے ایسی بستیاں بسا سکتا تھا۔لیکن ان کا روپیہ ان کی ذات کے علاوہ کسی غریب مہاجر کے کام نہ آسکا۔ربوہ ہمارے لئے ایک اور نقطہ نظر سے بھی محل نظر ہے۔وہ یہ کہ حکومت بھی اس سے سبق لے سکتی ہے اور مہاجرین کی صنعتی بستیاں اس نمونہ پر بسا سکتی ہے۔اس طرح ربوہ عوام اور حکومت کیلئے ایک مثال ہے۔ اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور عملی کام کرنے والے کچھ دعویٰ کئے بغیر کچھ کر دکھاتے ہیں۔''

(سفینہ لاہور 13نومبر 1948)

(روزنامہ الفضل22 فروری 2003)

اظہارِ تشکر

محترمہ رابعہ بیگم احمد جن کے دونوں گھٹنوں کا میجر آپریشن اور آنکھ کا آپریشن ہوا۔دونوں آپریشن خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیاب رہے لیکن پھر شنگل نکل آئی اور تقریباً 5 ماہ شدید درد رہی۔کیلیفورنیا میں ایک ہسپتال میں ڈاکٹر سپیشلسٹ نے ہفتہ کے بعد ٹیکے لگائے تو آرام آیا۔مگر ہلکی ہلکی درد باقی ہے۔محترمہ گھر واپس آگئی ہیں،الحمدللہ۔اس پریشانی کے موقعہ پر دوست احباب' ملاقات ،فون اور دعاؤں کے ذریعہ سے ان کی بہت حوصلہ افزائی کرتے رہے۔جزاکم اللہ۔

خاکسار میاں غلام احمد پینشنر محکمہ انہار لائل پور اور میری بیگم رابعہ بیگم احمد' رشتہ داروں اور احبابِ جماعت کے از حد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے مشکل اور پریشانی کے وقت احسن طریق سے اُن کا ساتھ دیا۔خدا تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے،آمین۔